

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

خطاب :	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
ضبط و ترتیب :	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی
اشاعت اول :	۱۴۰۲ھ
باہتمام :	محمد مشہود الحق کلیانوی
ناشر :	میمن اسلامک پبلشرز
کمپوزنگ :	عبدالماجد پراچہ
جلد :	۶
قیمت :	روپے /-
حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر:	

ملنے کے پتے

- Z میمن اسلامک پبلشرز، کراچی: 0313-9205497
- Z دارالاشاعت، اُردو بازار کراچی
- Z مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم، کراچی ۱۴
- Z ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- Z کتب خانہ اشرفیہ، قاسم سینٹر، اُردو بازار، کراچی ۱۴
- Z مکتبہ العلوم، سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی
- Z مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، نزد جامعہ فاروقیہ، کراچی
- Z مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار، لاہور

خطباتِ عثمانی

6

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی



میمن اسلامک پبلشرز

”خطبات عثمانی“ کے نام سے دوسرے مجموعہ کا آغاز انہی تفسیری بیانات سے کیا جا رہا ہے، چونکہ ان تفسیری بیانات میں حضرت والا مدظلہم کے اسفار کی وجہ سے وقفات زیادہ ہو جاتے ہیں، اس لئے وقتی موضوعات اور دیگر موضوعات کے بیانات کو بھی ”خطبات عثمانی“ میں شامل کیا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو قبول فرمائے، اور آخرت کی نجات اور علم دین کی اشاعت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

محمد عبداللہ میمن

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۴۳۵ھ



عرض مرتب

الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے استاذ مکرم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی کو ہر میدان میں جو بلند مقام عطا فرمایا ہے، وہ محتاج بیان نہیں، حضرت والا مدظلہم کے ہفتہ واری دو بیانات ہوتے ہیں، ایک بیان جمعہ کے روز جمعہ کی نماز سے قبل جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال کراچی میں ہوتا ہے، دوسرا بیان اتوار کے روز عصر کی نماز کے بعد جامعہ دارالعلوم کراچی کی جامع مسجد میں ہوتا ہے، سالہا سال سے ان بیانات کا یہ سلسلہ جاری ہے، اور ”اصلاحی خطبات“ کے نام سے ۱۸ جلدوں پر مشتمل ان بیانات کا پہلا مجموعہ آپ حضرات کے سامنے آچکا ہے۔

کچھ عرصہ سے حضرت والا مدظلہم نے جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال میں قرآن کریم کی مختلف سورتوں کی تفسیر اور تشریح کا سلسلہ شروع فرمایا ہے، جو بہت مفید سلسلہ ہے، اس سے تمام طبقہ کے حضرات کو فائدہ ہو رہا ہے، بہت سے حضرات کی خواہش تھی کہ تفسیر کے اس سلسلے کو نمایاں طور پر شائع ہونا چاہئے، تاکہ اس سے استفادہ کرنا آسان ہو جائے، چنانچہ اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے

صفحہ نمبر	عنوان
۲۲۷	M انسان سب سے بہترین مخلوق ہے (تفسیر سورۃ والتین) (۱)
۲۴۳	N برے اعمال والا ”اَسْفَلُ السَّافِلِیْنَ“ میں ہوگا (تفسیر سورۃ والتین) (۲)
۲۵۹	O جوانی میں آخرت کیلئے تیاری کرلو (تفسیر سورۃ والتین) (۳)
۲۷۳	P حضور e پر نبوت کی عظیم ذمہ داری (تفسیر سورۃ الم نشرح) (۱)
۲۸۹	Q ہر پریشانی کے بعد راحت ضرور آئیگی (تفسیر سورۃ الم نشرح) (۲)
۳۰۵	R فارغ اوقات کو نفلی عبادات میں لگاؤ (تفسیر سورۃ الم نشرح) (۳)

اجمالی فہرست

خطبات عثمانی جلد نمبر: ۶

صفحہ نمبر	عنوانات
۳۱	A ہٹ دھرمی کرنے والے کو ہدایت نہیں ملتی (تفسیر سورۃ بینہ) (۱)
۴۷	B اہل کتاب کون اور مشرکین کون؟ (تفسیر سورۃ بینہ) (۲)
۶۷	C انسانوں کی تین قسمیں (تفسیر سورۃ بینہ) (۳)
۸۱	D جنت اور اس کی صفات (تفسیر سورۃ بینہ) (۴)
۹۵	E جنت حاصل کرنے کیلئے خشیت اختیار کرو (تفسیر سورۃ بینہ) (۵)
۱۰۹	F شب قدر کی فضیلت (تفسیر سورۃ القدر) (۱)
۱۲۵	G نزول قرآن کا آغاز (تفسیر سورۃ العلق) (۱)
۱۴۱	H انسان کی تخلیق اور قلم کے ذریعہ علم سکھانا (تفسیر سورۃ العلق) (۲)
۱۶۱	I علم سیکھنا فرض عین ہے (تفسیر سورۃ العلق) (۳)
۱۷۹	J انسان اللہ کی قدرت کا مظہر ہے (تفسیر سورۃ العلق) (۴)
۱۹۵	K مالدار کی گھمنڈ میں مبتلا نہ کر دے (تفسیر سورۃ العلق) (۵)
۲۰۹	L ”سجدہ“ اللہ کے قرب کا ذریعہ (تفسیر سورۃ العلق) (۶)

صفحہ نمبر	عنوان
۴۲	یہ بہترین مخلوق ہیں
۴۳	اس سورت کا بنیادی پیغام
۴۳	یہ ملک اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے
۴۴	ہم نے بھی وعدہ کی خلاف ورزی کی
۴۵	ہم سب توبہ استغفار کریں
۴۵	پھر برکت کے دروازے کھل جائیں گے
۴۷	اہل کتاب کون اور مشرکین کون؟
	(تفسیر سورۃ بینہ) 2
۵۰	تمہید
۵۰	آپ کی بعثت کا مقصد
۵۱	اہل کتاب کون؟
۵۲	یہودیوں کے مشرکانہ عقائد
۵۳	عیسائیوں کے مشرکانہ عقیدے
۵۴	مشرکین کے عقیدے
۵۵	دونوں کی ہدایت کیلئے آپ کو بھیجا
۵۵	آپ پوری انسانیت کیلئے آئے تھے

صفحہ نمبر	عنوان
	تفصیلی فہرست مضامین
۳۱	ھٹ دھرمی کرنے والے کو ہدایت نہیں ملتی
	(تفسیر سورۃ بینہ) 1
۳۴	تمہید
۳۴	کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا تھا؟
۳۵	اسلام کے تین بنیادی عقیدے
۳۶	اس سورت میں رسالت کا عقیدہ
۳۶	انسان کو اندھیرے میں نہیں رکھا جاسکتا
۳۷	آخرت میں ہر چیز کا بدلہ دیا جائیگا
۳۸	رسالت پر ایمان اللہ کی قدرت کاملہ پر ایمان لانے کا نتیجہ ہے
۳۹	اہل کتاب سے کون مراد ہیں؟
۳۹	یہ لوگ ماننے والے نہیں تھے
۴۰	ایسے رسول کو بھی ٹھکرا دیا
۴۱	رسول نے آکر ان کو کیا احکام دیئے؟
۴۱	یہ بدترین مخلوق ہیں

صفحہ نمبر	عنوان
۱۰	
۱۷	انسانوں کی تین قسمیں
	(تفسیر سورۃ بینہ) 3
۷۰	تمہید
۷۱	دو گروہ میں تقسیم ہو گئے
۷۲	دونوں گروہوں میں موازنہ
۷۲	بعض کافر بھی تو نیک کام کرتے ہیں؟
۷۳	کافر درحقیقت کفر کی وجہ سے وفادار نہیں
۷۴	وہ نوکر جو آقا کو آقا ماننے سے انکار کرے
۷۵	دوسرا نوکر جو آقا کو آقا تسلیم کرتا ہے
۷۵	انسان اللہ کا بندہ ہے
۷۶	اسکی بے وفائی نے پانی پھیر دیا
۷۶	کافروں کو اچھے کاموں کا بدلہ
۷۷	آخرت میں کوئی بدلہ نہیں ملیگا
۷۸	وہ بہترین مخلوق ہیں
۸۸	”ایمان لانا“ وفاداری کا ایک عہد ہے
۸۹	انسانوں کی تین قسمیں

صفحہ نمبر	عنوان
۹	
۵۶	آپ کی نبوت قیامت تک کیلئے ہے
۵۷	محل نبوت کی آخری اینٹ
۵۸	آپ e کا پیغام سب کیلئے تھا
۵۸	اہل کتاب کیلئے آپ e کا پیغام
۵۹	مشرکین کیلئے آپ کا پیغام
۵۹	حضور e کی ذات روشن دلیل
۶۰	وہ لوگ ہدایت پا گئے
۶۱	صحابہ [ستارے بن گئے
۶۲	اگلی آیات اگلے جمعہ میں
۶۲	تلاوت کا صحیح مفہوم
۶۳	ورنہ تلاوت نہیں کہلائے گی
۶۴	نماز میں اور خارج نماز اسی انداز سے تلاوت واجب ہے
۶۴	س، ث اور ص میں فرق کریں
۶۵	ز، ض، ظ میں فرق کریں
۶۵	مشق کے ذریعہ تلاوت کو تلاوت بنائیں
۶۶	اللہ کا شکر ادا کریں

صفحہ نمبر	عنوان
۱۲	
۹۵	جنت حاصل کرنے کیلئے خشیت اختیار کرو (تفسیر سورۃ بینہ) 5
۹۸	تمہید
۹۸	دنیا میں ہر وقت موت کا کھٹکا موجود ہے
۹۹	جنت میں موت نہیں آئیگی
۱۰۰	سب سے عظیم نعمت
۱۰۰	اہل جنت اللہ سے راضی
۱۰۱	وہاں ہر خواہش پوری ہوگی
۱۰۱	جنت میں کھیتی باڑی
۱۰۳	”خشیت“ کیلئے کوئی لفظ نہیں
۱۰۳	عظمت کی وجہ سے ڈر ہو تو وہ ”خشیت“ ہے
۱۰۴	خشیت میں اللہ کی عظمت کا احساس
۱۰۵	جنت کی نعمتیں خشیت والے کیلئے ہیں
۱۰۵	غفلت کی زندگی سے بچو
۱۰۶	احساس کے ساتھ زندگی گزارو
۱۰۶	ذمہ داری کا احساس پیدا کرو

صفحہ نمبر	عنوان
۱۱	
۸۱	جنت اور اس کی صفات (تفسیر سورۃ بینہ) 4
۸۴	تمہید
۸۴	یہ بہترین لوگ ہیں
۸۵	”بریۃ“ میں تمام مخلوق داخل ہیں
۸۶	فرشتوں کا کوئی کمال نہیں
۸۶	اس کا مقام فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے
۸۷	خاص ملائکہ انسانوں سے افضل ہیں
۸۷	سب سے بہترین خطاب اور تمنعہ
۸۸	اس تمنعہ کی قدر آخرت میں ہوگی
۸۸	ایسے لوگوں کا صلہ جنت کے باغات ہیں
۸۹	ہمیشہ رہنے والے باغات
۹۰	جنت کے پھلوں میں ترقی ہوتی رہیگی
۹۱	باغات کے نیچے نہریں ہوں گی
۹۲	وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے
۹۳	اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا
۹۴	یہ انعام خشیت والے کو ملے گا

صفحہ نمبر	عنوان
۱۱۸	لیلۃ القدر آخری عشرے کی طاق راتوں میں
۱۱۹	۲۷ ویں شب اور لیلۃ القدر
۱۱۹	”لیلۃ القدر“ کے ۹ حروف
۱۲۰	پہلے بتا دیا گیا پھر بھلا دیا گیا
۱۲۱	لڑائی جھگڑا منحوس چیز ہے
۱۲۱	اس رات میں فرشتے ہر امر لیکر نازل ہوتے ہیں
۱۲۲	اس رات میں دعا کرے
۱۲۲	ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں
۱۲۵	نزول قرآن کا آغاز (تفسیر سورۃ العلق) 1
۱۲۸	تمہید
۱۲۸	صادق اور امین کے لقب سے معروف تھے
۱۲۹	اہل عرب اور بت پرستی
۱۳۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بت پرستی سے اجتناب
۱۳۱	خلوت میں عبادت کا آغاز
۱۳۱	خلوت کیلئے غار حراء کا انتخاب

صفحہ نمبر	عنوان
۱۰۷	میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں
۱۰۸	احساس پیدا کرنے کا طریقہ
۱۰۹	شب و قدر کی فضیلت (تفسیر سورۃ القدر)
۱۱۲	تمہید
۱۱۲	تسلسل کیلئے لیلۃ القدر کا ذکر
۱۱۳	اس سورت کا شان نزول
۱۱۳	ہم ان کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتے
۱۱۴	وہ رات ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے
۱۱۵	قرآن کریم کے نزول کیلئے اس رات کا انتخاب
۱۱۵	قرآن کریم لوح محفوظ میں
۱۱۶	لیلۃ القدر میں پہلا نزول فرمایا
۱۱۶	عظیم کلام کیلئے عظیم رات
۱۱۷	تمہیں کیا معلوم لیلۃ القدر کیا ہے؟
۱۱۷	لیلۃ القدر میں فرشتوں کا نزول
۱۱۸	قدر کے معنی

صفحہ نمبر	عنوان
۱۴۵	جبریل امین u کے بھیجنے کی وجہ
۱۴۶	پروردگار کے نام سے پڑھو
۱۴۶	”بسم اللہ“ پڑھ کر تلاوت کریں
۱۴۷	پروردگار وہ ہے جس نے پیدا کیا
۱۴۸	انسان کی تخلیق کا ذکر کیوں؟
۱۴۹	انسان ایک چھوٹا عالم ہے
۱۵۰	انسان عجیب تر مخلوق
۱۵۰	انسان کی پیدائش کے مختلف مراحل
۱۵۱	درمیانی مرحلہ جما ہوا خون
۱۵۱	آپ کا رب بڑا کریم ہے
۱۵۲	قلم کے ذریعہ علم عطا فرمایا
۱۵۲	حروف سے الفاظ کیسے بنے؟
۱۵۳	الفاظ کا علم حضرت آدم u کو عطا فرمایا
۱۵۴	قلم کی اہمیت آج بھی ہے
۱۵۴	ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے
۱۵۵	جبریل امین u کے ذریعہ علم عطا کریں گے
۱۵۵	قلم کے بغیر بھی علم عطا کرتے ہیں

صفحہ نمبر	عنوان
۱۳۲	اس وقت عبادت کا طریقہ کیا تھا؟
۱۳۳	ایک ماہ کا طویل قیام
۱۳۳	آپ ﷺ کو اُمّی رکھنے میں حکمت
۱۳۴	وحی کی ابتداء اور نزول قرآن کا آغاز
۱۳۵	ذمہ داری کا بوجھ
۱۳۶	اللہ تعالیٰ ناکام نہیں فرمائیں گے
۱۳۷	حضرت خدیجہ r کی تسلی الہامی تھی
۱۳۷	ورقہ بن نوفل
۱۳۸	ورقہ بن نوفل سے ملاقات
۱۳۸	ورقہ بن نوفل کی آپ ﷺ کو تسلی
۱۳۹	وحی کا سلسلہ موقوف ہو گیا
۱۴۰	پانچ عظیم آیات
۱۴۱	انسان کی تخلیق اور قلم کے ذریعہ علم سکھانا
	(تفسیر سورة العلق) 2
۱۴۴	تمہید
۱۴۴	ایک اُمّی کی زبان سے علوم جاری

صفحہ نمبر	عنوان
۱۶۹	علماء سے پوچھ کر یہ علم حاصل کرے
۱۶۹	ملازم کیلئے شریعت کا حکم
۱۷۰	اتنے وقت کی تنخواہ مت لو
۱۷۱	تنخواہ میں سے کٹوتی
۱۷۱	جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ
۱۷۲	یہ سب حرام خوری کا وبال ہے
۱۷۳	بظاہر اچھا کام کر رہے تھے
۱۷۳	یہ حرام کام کر رہے ہو
۱۷۴	ڈاکٹروں کو یہ جاننا ضروری ہے
۱۷۵	پڑوسیوں کے حقوق جاننا ضروری ہے
۱۷۶	ساتھ بیٹھنے والا بھی پڑوسی ہے
۱۷۶	مشترکہ جگہ پر سب کا برابر حق ہے
۱۷۷	اپنے شعبہ سے متعلق علم سیکھنا فرض ہے
۱۷۹	انسان اللہ کی قدرت کا مظہر ہے
	(تفسیر سورة العلق) 4
۱۸۲	تمہید

صفحہ نمبر	عنوان
۱۵۶	بچے کو دودھ پینا کس نے سکھایا؟
۱۵۷	بچے کو روٹا کس نے سکھایا؟
۱۵۸	تعلیم قلم کے اندر منحصر نہیں
۱۵۸	آپ کو معلم بنادے گا
۱۵۹	آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کا سبب بن گئے
۱۵۹	ایمان کے بعد پہلا فریضہ علم حاصل کرنا ہے
۱۶۱	علم سیکھنا فرض عین ہے
	(تفسیر سورة العلق) 3
۱۶۴	تمہید
۱۶۵	سب سے پہلا فریضہ علم حاصل کرنا
۱۶۵	تمام علوم حاصل کرنا فرض نہیں
۱۶۶	علم کی مختلف شاخیں
۱۶۶	شریعت کے احکام کا علم فرض عین ہے
۱۶۷	تاجر پر یہ علم فرض عین ہے
۱۶۷	تاجر کو یہ باتیں معلوم ہونی چاہئیں
۱۶۸	تاجر کیلئے یہ حرام ہے

صفحہ نمبر	عنوان
۱۹۵	مالداری گھمنڈ میں مبتلا نہ کر دے (تفسیر سورۃ العلق) 5
۱۹۸	تمہید
۱۹۹	توحید کی مخالفت تو ہونی تھی
۱۹۹	ابو جہل کا آپ کے ساتھ رویہ
۲۰۰	ابو جہل سرکشی پر آمادہ ہو گیا
۲۰۱	اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنا حماقت ہے
۲۰۲	ایسی مالداری سے اللہ کی پناہ
۲۰۲	مالداری کی اکڑ اور فقر و فاقہ کی ذلت سے پناہ مانگو
۲۰۳	بے نیازی کے مختلف اسباب
۲۰۴	تجھے اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے
۲۰۴	سارا تکبر دھرا رہ جائے گا
۲۰۵	دنیا کے اندر بھی تم دوسروں کے محتاج ہو
۲۰۶	تم ہر چیز میں اللہ کے محتاج ہو
۲۰۶	بالآخر اللہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا
۲۰۷	دنیا و آخرت دونوں میں تم اللہ کے محتاج ہو

صفحہ نمبر	عنوان
۱۸۲	”علم کا حصول“ پہلا فریضہ
۱۸۳	عبادات کا علم فرض عین ہے
۱۸۴	دوسرے علوم فرض کفایہ ہیں
۱۸۴	اپنے پروردگار کا نام لیکر پڑھو
۱۸۵	کتاب لکھنے پڑھنے سے پہلے ”بسم اللہ“
۱۸۶	جس نے پیدا کیا، وہی صلاحیت دیگا
۱۸۷	”انسان“ اللہ کی قدرت کا مظہر
۱۸۸	انسان پوری کائنات کا خلاصہ
۱۸۹	اپنے وجود پر غور کرو
۱۹۰	تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے
۱۹۰	تمہیں قلم کے ذریعہ تعلیم دی
۱۹۱	زبانیں اور رسم الخط الہامی ہیں
۱۹۲	زبانوں کا اختلاف قدرت کی نشانی ہے
۱۹۲	انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا
۱۹۳	خلاصہ

ی صلاحیت دیگا

صفحہ نمبر	عنوان
۲۲۰	اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ ورنہ!!
۲۲۱	پھر دھمکی دینا چھوڑ دی
۲۲۱	سجدہ کرو اور میرے پاس آ جاؤ
۲۲۲	سجدے میں دعائیں مانگنا
۲۲۳	سجدے کی دعائیں
۲۲۴	سجدہ کا مقام بلند
۲۲۴	سجدے کی مسنون تسبیح
۲۲۵	اعلیٰ ترین وظیفہ
۲۲۶	ہم سب پر سجدہ واجب ہو گیا
۲۲۶	آؤ سب مل کر سجدہ کریں
۲۲۷	انسان سب سے بہترین مخلوق ہے (تفسیر سورۃ التین) 1
۲۳۰	سورۃ التین کا خلاصہ
۲۳۱	چار چیزوں کی قسم
۲۳۱	اللہ تعالیٰ کو قسم کھانے کی ضرورت نہیں
۲۳۲	یقین دلانے کیلئے قسم کھائی

صفحہ نمبر	عنوان
۲۰۷	ان نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرو
۲۰۸	خلاصہ
۲۰۹	”سجدہ“ اللہ کے قرب کا ذریعہ (تفسیر سورۃ العلق) 6
۲۱۲	تمہید
۲۱۳	”بندے“ کو نماز پڑھنے سے روک رہا ہے
۲۱۳	انسان کی عظمت کا اعلیٰ مقام ”بندہ“ ہونا ہے
۲۱۴	سب سے اعلیٰ صفت ”بندگی“ ہے
۲۱۵	ایسے شخص کو نماز سے روکنا ”کینگی“ ہے
۲۱۵	شریعت نماز سے روک سکتی ہے
۲۱۶	تقدس اللہ کے حکم سے آتا ہے
۲۱۶	ورنہ نماز سے روکنا بڑا جرم ہے
۲۱۷	نماز سے روکنے والے کا حال
۲۱۸	اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے
۲۱۸	ہم ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں
۲۱۹	تمہاری نگرانی ہو رہی ہے

۲۲

صفحہ نمبر	عنوان
۲۲۳	برے اعمال والا ”اَسْفَلُ السَّافِلِیْنَ“ میں ہوگا (تفسیر سورۃ والتین) 2
۲۲۶	تمہید
۲۲۶	تین انبیاء ۵ کی طرف اشارہ سے مقصد
۲۲۷	انسان کو عقل عطا فرمائی
۲۲۸	انسان کے اعضاء میں توازن
۲۲۹	انسان کو تمیز اور شعور عطا کیا
۲۵۰	انسان سب سے افضل کب بنے گا؟
۲۵۰	غصہ کا غلط استعمال
۲۵۱	شہوت کا صحیح اور غلط استعمال
۲۵۱	نگاہ کا صحیح استعمال اور غلط استعمال
۲۵۲	ورنہ وہ حیوان سے بدتر ہے
۲۵۳	آخرت میں جہنم میں پھینک دیا جائے گا
۲۵۳	صلاحیتوں کو صحیح استعمال کرنے پر اجر و ثواب
۲۵۴	دنیا کی نعمتیں آنی جانی ہیں
۲۵۵	جنت کی نعمتیں ابدی ہیں

۲۳

صفحہ نمبر	عنوان
۲۳۳	انجیر اور زیتون کی قسم سے حضرت عیسیٰ u کی طرف اشارہ
۲۳۳	طور سینین سے حضرت موسیٰ u کی طرف اشارہ
۲۳۴	بلد امین سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ
۲۳۴	زیادہ قسمیں کھانے سے بچو
۲۳۵	کس چیز کی قسم کھانا جائز ہے؟
۲۳۶	اللہ کیلئے مخلوق کی قسم کھانا جائز ہے
۲۳۶	سب سے بہترین مخلوق انسان ہیں
۲۳۷	انسان کا پورا جسم احسن تقویم کی دلیل
۲۳۸	انسان کی ایک اور خصوصیت
۲۳۸	انسان پوری نماز پڑھ سکتا ہے
۲۳۹	انسان کو عقل بھی عطا فرمائی
۲۴۰	بیوی چاند سے زیادہ حسین
۲۴۰	طلاق واقع نہیں ہوئی
۲۴۱	بشرطیکہ اپنی صلاحیتوں کو صحیح استعمال کرے

صفحہ نمبر	عنوان
۲۶۷	نیک آدمی کیلئے بڑھاپا آسان ہوتا ہے
۲۶۸	کافر کو بڑھاپے کی تکلیف زیادہ ہوتی ہے
۲۶۹	فسق و فجور میں زندگی گزارنے والے کا بڑھاپا
۲۶۹	نیک آدمی کا رجوع الی اللہ بڑھ جاتا ہے
۲۷۰	نیک لوگوں کو دائمی اجر و ثواب
۲۷۰	اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہیں
۲۷۱	جوانی میں تیاری کرو
۲۷۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کی عظیم ذمہ داری
	(تفسیر سورۃ الم نشرح) 1
۲۷۶	تمہید
۲۷۶	اس سورت کا ترجمہ
۲۷۷	نبوت کی عظیم ذمہ داری کا بوجھ
۲۷۸	چالیس سال کی عمر میں یہ ذمہ داری
۲۷۹	ذمہ داریوں کے احساس سے جاڑہ
۲۷۹	اُٹی ہونے کے باوجود یہ ذمہ داری
۲۸۰	قرآن کریم کو اس طرح پڑھنا تھا

صفحہ نمبر	عنوان
۲۵۵	ورنہ اَسْفَلُ السَّافِلِیْنَ میں چلا جائے گا
۲۵۶	پھر قیامت سے انکار کیوں؟
۲۵۶	وہ تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے
۲۵۷	سورۃ والتین کے ختم پر یہ کہے
۲۵۷	سورۃ والتین کی اہمیت
۲۵۹	جوانی میں آخرت کیلئے تیاری کرلو
	(تفسیر سورۃ والتین) 3
۲۶۲	تمہید
۲۶۲	انسان کو سب سے بہترین مخلوق بنانے کا ایک مطلب
۲۶۳	”جوانی میں“ ”حسن تقویم“ کی صفت حاصل ہے
۲۶۴	بڑھاپے میں ”اَسْفَلُ السَّافِلِیْنَ“ کی صفت
۲۶۴	عبرت آموز واقعہ
۲۶۵	جوانی میں نیک عمل کر گزرو
۲۶۶	نیک لوگوں کا بڑھاپا
۲۶۶	بڑھاپے میں جوانی کے اعمال لکھے جائیں گے
۲۶۷	وہ ”اَسْفَلُ السَّافِلِیْنَ“ میں نہیں

۲۸

صفحہ نمبر	عنوان
۲۹۳	سابقہ انبیاء کی ذمہ داری محدود تھی
۲۹۴	آپ ﷺ پوری انسانیت کیلئے نبی تھے
۲۹۵	آپ ﷺ کے تذکرے کو بلند مقام عطا فرمایا
۲۹۶	پورے کرہ ارض پر آپ ﷺ کا نام لیا جا رہا ہے
۲۹۶	آپ ﷺ کے نام کی برکت سے دنیا قائم ہے
۲۹۷	ہر مشکل کے ساتھ آسانی
۲۹۸	عین پریشانی کے وقت بے شمار نعمتیں
۲۹۸	بیماری کے اندر بھی صحت
۲۹۹	حضرت میاں اصغر حسین صاحب a
۳۰۰	ایک مؤمن کا صحیح عمل
۳۰۰	بیماری میں بے شمار نعمتیں
۳۰۱	تکلیف پر اجر و ثواب
۳۰۲	ہر تکلیف کے بعد راحت بھی آتی ہے
۳۰۲	یہ تکلیف دائمی نہیں
۳۰۳	ایک تنگی کے بعد دو آسانیاں آئیں گی
۳۰۳	ایک آسانی دنیا میں ایک آخرت میں

۲۷

صفحہ نمبر	عنوان
۲۸۱	قرآن کریم کے علوم محفوظ رکھنا
۲۸۱	قرآن کریم کے احکام بھی محفوظ رکھنا تھے
۲۸۲	کیا ہم نے آپ ﷺ کا سینہ نہیں کھول دیا؟
۲۸۳	سینہ کھول دینے کا مطلب
۲۸۳	شرح صدر کے دوسرے معنی
۲۸۴	شرح صدر کا نتیجہ کیا ہوا؟
۲۸۵	بت پرستی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی
۲۸۵	حضور اقدس ﷺ کی ذمہ داریاں
۲۸۶	سورۃ البقرۃ کے پڑھنے میں ۸ سال لگے
۲۸۶	قرآن کریم کی عملی تفسیر کرنی تھی
۲۸۷	مخالفین سے جہاد بھی کرنا تھا
۲۸۷	صرف دس سال میں ۱۱۳ لڑائیاں
۲۸۹	ہر پریشانی کے بعد راحت ضرور آئیگی
	(تفسیر سورۃ الم نشرح) 2
۲۹۲	تمہید
۲۹۲	نبوت کی ذمہ داری کا بوجھ

صفحہ نمبر	عنوان
۳۱۴	عبادت پر صبر کرو
۳۱۵	جنت کی نعمتیں صبر کرنے پر
۳۱۵	کس چیز سے فارغ ہو جاؤ؟
۳۱۶	دین کا کام کرنے والوں کو ہدایت
۳۱۶	نماز فارغ ہونے کی چیز نہیں
۳۱۷	پہلے کھانا بعد میں نماز
۳۱۸	ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع
۳۱۹	کام میں رکاوٹیں ہو جائیں گی
۳۱۹	ہر وقت اللہ سے مانگتے رہو



صفحہ نمبر	عنوان
۳۰۵	فارغ اوقات کو نفلی عبادات میں لگاؤ (تفسیر سورۃ الم نشرح) 3
۳۰۶	تمہید
۳۰۶	عبادت میں اپنے آپ کو تھکائیے
۳۰۷	فرض نمازیں تو پڑھنی ہی ہیں
۳۰۸	مومن کا ہر کام موجب اجر و ثواب ہے
۳۰۸	مومن کا کھانا اور سونا بھی عبادت
۳۰۹	نیت درست کرنے سے عبادت بن گئے
۳۰۹	براہ راست عبادت والے کام
۳۱۰	نفلی عبادتوں میں اپنے آپ کو تھکاو
۳۱۱	فارغ وقت میں اللہ کا ذکر کرو
۳۱۱	ذکر کیلئے بہترین کلمات
۳۱۲	افضل عمل کونسا؟
۳۱۲	یہ اوقات سرمایہ زندگی ہیں
۳۱۳	دل نہ لگنے کے باوجود عبادت کرتے ہو
۳۱۳	عبادت مزہ لینے کیلئے نہیں کی جاتی



ھٹ دھرمی کرنے والے کو ھدایت نہیں ملتی

(تفسیر سورۃ بینہ)

1

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی



میمن اسلامک پبلشرز

۳۴

رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ، وَنَحْنُ عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ
وَالشَّاكِرِينَ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز، یہ پارہ عم کی سورۃ البینۃ ہے، جس کی ابتدائی آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں۔ اس کی مختصر تفسیر اور تشریح عرض کرنی مقصود ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی رضا کے مطابق ٹھیک ٹھیک بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ اس سورت کا نام سورۃ بینۃ ہے، یہ سورت اس لحاظ سے عظیم خصوصیت رکھتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعب t سے فرمایا: حضرت ابی بن کعب t مشہور صحابی ہیں اور تمام صحابہ کرام w میں ان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ قرآن کریم کی تلاوت بڑی دل نشین اور اعلیٰ درجہ کی فرمایا کرتے تھے، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ: ”أَقْرَأَهُمْ أَبُوبُ كَعْبٍ“ یعنی تمام صحابہ کرام w میں سب سے بہترین قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے ابی بن کعب t ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسجد نبوی کے لئے کسی ایسے امام کی ضرورت ہوئی جو پورا قرآن کریم تراویح میں ختم کرے تو حضرت عمر t نے حضرت ابی بن کعب t کا انتخاب فرمایا۔

کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا تھا؟

بہر حال! ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابی بن کعب t سے فرمایا کہ مجھے اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں تم سے سورۃ البینۃ سنوں،

۳۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ھٹ دھرمی کرنے والے کو ہدایت نہیں ملتی

تفسیر سورۃ البینۃ

1

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ، صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ *

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ *

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَ
النَّبِيِّينَ مُتَفَكِّينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۖ رَسُولٌ
مِّنَ اللَّهِ يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۚ فِيهَا كُتِبَ قِسْمَةٌ ۖ

(سورہ بیںہ، آیت ۳ تا ۵)

آمَنْتُ بِاللَّهِ صَدَقَ اللَّهُ مَوْلَانَا الْعَظِيمُ، وَصَدَقَ

۳۶

ہے، جو دائمی اور ابدی زندگی ہوگی، اس زندگی کو کبھی فنا اور زوال نہیں ہوگا۔ یہ تین بنیادی عقیدے ہیں۔

اس سورت میں رسالت کا عقیدہ

قرآن کریم میں انہی تینوں عقیدوں کو مختلف انداز سے، مختلف اسالیب میں اور مختلف پیرائے میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں، کہیں توحید کو بنیادی موضوع قرار دے کر اس کو ثابت فرمایا ہے، کہیں آخرت کا عقیدہ بیان فرمایا ہے۔ اور اس کو ثابت کیا ہے، اور اس سورت بینۃ میں رسالت کے عقیدے کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام کو دنیا میں نافذ کرنے کے لئے اور لوگوں تک ہدایت کا پیغام پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ پیغمبر بھیجتے رہے ہیں، جن کا سلسلہ حضرت آدم ؑ سے شروع ہوا تھا، اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی تکمیل ہوگئی۔

انسان کو اندھیرے میں نہیں رکھا جاسکتا

اگر غور سے دیکھا جائے تو درحقیقت اللہ تعالیٰ کے وجود اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کا منطقی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ آدمی پیغمبروں پر ایمان لائے، کیوں؟ اس لئے کہ اگر آپ نے یہ مان لیا کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، اسی نے یہ ساری کائنات پیدا کی ہے، اسی نے یہ چاند ستارے بنائے ہیں، اسی نے یہ زمین پیدا کی ہے، اسی نے اس زمین میں ان جانوروں کو پیدا کیا ہے، اسی نے یہ سب جمادات، نباتات اور انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ تو خود بخود

۳۵

یعنی تم سورۃ البینۃ کی تلاوت کرو، اور میں اس کو سنوں — حضرت اُبی بن کعب ؓ بڑے حیران ہوئے، اور بڑا عظیم اعزاز بھی محسوس فرمایا، تو حضرت اُبی بن کعب ؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا تھا؟ اور میرا نام لے کر فرمایا تھا کہ اُبی بن کعب سے سنو، تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لے کر یہ سورت تلاوت کرنے کے لئے فرمایا، جب ان کو پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر یہ حکم دیا ہے تو یہ سنتے ہی حضرت اُبی بن کعب ؓ رو پڑے کہ اللہ تعالیٰ نے میرا اتنا بڑا اکرام فرمایا کہ یہ سورت مجھے تلاوت کرنے کے لئے فرمایا۔ بہر حال! یہ وہی سورت ہے۔

اسلام کے تین بنیادی عقیدے

آپ نے دیکھا کہ اب تک جتنی سورتوں کی تفسیر اور تشریح کا بیان ہوتا چلا آ رہا ہے، وہ مختصر سورتیں تھیں، لیکن یہ سورت ان سورتوں کی بنسبت بڑی سورت ہے، اور اس سورت کا ایک بنیادی مقصد ہے، وہ یہ کہ اسلام کے تین بنیادی عقیدے ہیں۔ جن پر ایمان لانا ضروری ہے، اور ان تین عقیدوں پر ہی پورے دین اسلام کی بنیاد ہے۔ 1 ایک توحید کا عقیدہ، یعنی اس بات کا عقیدہ کہ اس کائنات میں اللہ جل شانہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ 2 دوسرا عقیدہ رسالت کا، یعنی اس بات کا عقیدہ کہ اللہ جل شانہ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے کچھ پیغمبر مبعوث فرمائے، اور ان پیغمبروں کی ہدایات پر عمل کرنا انسانوں کے لئے ضروری ہے، آخرت کی نجات اس کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ 3 تیسرا عقیدہ یہ ہے کہ قبر میں جانے کے بعد ایک دوسری زندگی پیش آنے والی

ایمان ہے تو ان دونوں چیزوں کو ملا کر دیکھو کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس دنیا میں بھیج دیا اور کوئی ہدایت نہیں دی، کوئی احکام اور کوئی رہنمائی نہیں فرمائی۔ اور دوسری طرف یہ ہے کہ جب وہاں آخرت میں پہنچو گے تو وہاں پر تمہارا حساب لیا جائے گا۔ یہ کیسے ممکن ہے؟

رسالت پر ایمان اللہ کی قدرت کاملہ پر ایمان لانے کا نتیجہ ہے

لہذا اللہ تعالیٰ کی ذات پر، اس کی صفات پر، اس کی حکمت بالغہ پر ایمان لانے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آدمی یہ تسلیم کرے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے کوئی سلسلہ جاری کیا ہے کہ کیا اچھا ہے، اور کیا برا ہے، اس کے لئے انبیاء ؑ اور پیغمبر اس دنیا میں تشریف لائے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ انسانوں کو یہ بتاتے ہیں کہ تمہارے لئے کونسا کام اچھا ہے، اور کونسا کام برا ہے، کونسا کام تمہارے لئے فائدہ مند ہے، اور کونسا کام فائدہ مند نہیں، اسی امتحان اور آزمائش کے لئے انسانوں کو اس دنیا کے اندر بھیجا گیا ہے۔ لہذا ”رسالت“ پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر ایمان لانے کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس سورت ”بینہ“ میں اللہ تعالیٰ نے اسی ”رسالت“ کے عقیدے کو بیان فرمایا ہے کہ ہم نے دنیا میں رسول کیوں بھیجے۔ اور پھر یہ بھی بتایا کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں نے کیا طور طریقے اختیار کئے، اور اس کا انجام کیا ہوا؟ لہذا پہلے میں اس سورت کا ترجمہ پیش کرتا ہوں اس کے بعد انشاء اللہ ایک ایک آیت کی کچھ تشریح

انسان کے دل میں یہ سوال پیدا ہونا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس انسان کو اس بھری دنیا میں بھیجا تو کیا ایسے ہی اندھیرے میں بھیج دیا کہ وہ جو چاہے کرتا پھرے! اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر ایمان ہے اس کی قدرت کاملہ پر ایمان ہے، اور اس بات پر ایمان ہے کہ اسی نے انسان کو اس دنیا کے اندر بھیجا ہے، اور یہ دنیا متنوع قسم کی ہے، اس میں اچھائیاں بھی ہیں، اور برائیاں بھی ہیں، اس دنیا میں ظالم بھی ہیں اور مظلوم بھی ہیں، ہر طرح کے انسان ہیں۔ تو کیا یہ ممکن ہے کہ ایک پروردگار انسان کو پیدا تو کر دے، اور دنیا میں بھیج کر اس کو اندھیرے میں رکھے کہ اس کو کچھ پتہ نہ ہو کہ مجھے اس دنیا میں کس طرح زندگی گزارنی ہے، اور اس کو یہ پتہ نہ ہو کہ کیا چیز اچھی ہے اور کیا چیز بری ہے؟ اور نہ اس کو یہ پتہ ہو کہ کیا کام کرنا ہے، اور کیا کام نہیں کرنا ہے، یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ سے اور اس کی قدرت کاملہ سے ممکن ہی نہیں تھی۔

آخرت میں ہر چیز کا بدلہ دیا جائیگا

بالخصوص اگر آخرت پر بھی ایمان ہو کہ مرنے کے بعد ایک زندگی آئے گی، جس میں تمام انسانوں کو اپنی پوری زندگی کا حساب دینا ہوگا۔ اگر کسی نے اچھا کام کیا ہے تو اس کو اس کا اچھا بدلہ ملے گا، اگر برے کام کئے ہیں تو اس کو برا بدلہ ملے گا، اگر ظلم کیا ہے تو ظلم کا انجام وہاں دیکھے گا، اگر انصاف اور عدل سے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گزار رہی ہوگی تو اس کو اللہ تعالیٰ وہاں انعام عطا فرمائیں گے، اگر ظلم کیا ہے تو اس کو وہاں اس کی سزا ملے گی، اگر اس پر بھی

طریقے پر چلتے آرہے تھے، باپ دادا نے جو طریقہ چھوڑا تھا، اسی کو وہ برحق سمجھتے تھے، کوئی اگر آکر ان سے یہ کہتا کہ تم غلط کر رہے ہو، تو یہ لوگ ماننے والے نہیں تھے، جب تک کہ روشن دلیل ان کے سامنے نہ آ جاتی۔ وہ روشن دلیل کیا ہے؟

رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۖ فِيهَا
كُتِبَ قِسْمَةٌ ۖ

یعنی ایک ایسا رسول ان کے پاس آتا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا ہوتا، جو ان کے سامنے پاکیزہ صحیفے تلاوت کرے جن صحیفوں میں سیدھی اور سچی باتیں ہوں، تب جا کر شاید ایمان لے آتے، لیکن جب تک اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجتا، تو یہ لوگ اپنی پرانی روش پر گامزن رہتے اور اپنی گمراہی سے باز نہ آتے۔

ایسے رسول کو بھی ٹھکرا دیا

آگے فرمایا:

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا
جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَةُ ۖ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ان کافروں کے طرز عمل پر افسوس کا اظہار فرما رہے ہیں کہ باوجودیکہ ان کے پاس ایسا رسول آگیا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جس کی ذات بالا صفات، جن کی ذات وجود سراپا ہدایت تھی، اور سراپا روشن دلیل تھی، جس کے چہرے مہرے کی زیارت سے آدمی سمجھ سکتا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا

عرض کروں گا۔

اہل کتاب سے کون مراد ہیں؟

باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَمَّا يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَ
النَّبِيِّينَ مُنَافِقِينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۖ

یہ لوگ جو اہل کتاب ہیں — اہل کتاب عیسائیوں اور یہودیوں کو کہا جاتا ہے کیونکہ عیسائی اور یہودی حضرت عیسیٰ u اور حضرت موسیٰ u کی کتابوں پر ایمان رکھتے تھے، اگرچہ ان کتابوں کے اندر ان لوگوں نے تحریف کر دی۔ لیکن بنیادی طور پر اس بات کے قائل تھے کہ کوئی کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی تھی اور وہ اس کتاب کے احکام کے پابند تھے۔ اس لئے ان کو ”اہل کتاب“ کہا جاتا ہے۔ بہر حال! فرمایا کہ جو لوگ اہل کتاب ہیں، اور مشرکین — مشرکین سے مراد ہیں۔ بت پرست، جو نہ کسی کتاب کے قائل، نہ کسی پیغمبر کے قائل اور نہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل، بلکہ ان لوگوں نے ہزاروں دیوتا بنارکھے ہیں، اور ان کو پوجا کرتے ہیں، اور مکہ مکرمہ اکثریت انہی مشرکین کی تھی۔

یہ لوگ ماننے والے نہیں تھے

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ: یہ اہل کتاب ہوں، یا مشرکین ہوں، یہ اپنی حرکتوں سے باز آنے والے نہیں تھے، جب تک کہ ان کے سامنے ایک روشن دلیل نہ آگئی ہو — یعنی یہ لوگ اپنے آباء واجداد کے وقت سے ایک خاص

۴۲

نَارًا جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝

(سورہ بینہ، آیت ۶)

یعنی اس دعوت کے نتیجے میں وہ لوگ دو گروہ میں تقسیم ہو گئے، ایک کافر، ایک مؤمن، چنانچہ فرمایا کہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا، چاہے وہ اہل کتاب میں سے ہوں، چاہے وہ مشرکین ہوں، وہ جہنم کی آگ میں ہوں گے، اور ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے، یہ لوگ مخلوق میں سب سے بدترین مخلوق ہیں۔

یہ بہترین مخلوق ہیں

آگے فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ

الْبَرِيَّةِ ۝ (سورہ بینہ، آیت ۷)

اور دوسرا گروہ جس نے حق کو قبول کیا۔ ایمان لائے، نیک اعمال کئے، یہ ساری مخلوق میں سے سب سے بہترین مخلوق ہیں۔ آگے فرمایا:

جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتٌ عَدْنٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ رَاضٍ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَاضُوا

عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ حَشِيَ رَبَّهُ ۝ (سورہ بینہ، آیت ۸)

ان کا صلہ ان کے پروردگار کے پاس ایسی جنتیں ہوں گی، جو ہمیشہ رہنے والی ہوں گی، کبھی ختم نہیں ہوں گی، جن میں وہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور اس طرح جنت میں رہیں گے کہ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، یعنی اللہ تعالیٰ کی مکمل رضا ان کو حاصل ہو گئی، اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے کہ اللہ

۴۱

ہے، لیکن اس کے باوجود ان لوگوں نے اپنا الگ راستہ اختیار کیا۔ حالانکہ اس رسول نے آکر نہ کوئی نئی بات کہی، نہ کوئی ایسی بات کہی جو ان لوگوں کے لئے قابل تسلیم نہ ہو، یا جس پر عمل کرنا بڑا دشوار ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

رسول نے آکر ان کو کیا احکام دیئے؟

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ

حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِينُ

الْقِسْمَةِ ۝ (سورہ بینہ، آیت ۵)

یعنی ان لوگوں کو اس رسول کے ذریعہ حکم نہیں دیا گیا، مگر اس بات کا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اور اپنی ساری اطاعت خالصہ اللہ کے لئے کریں، اور سیدھے ہو کر کریں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور حقیقت میں سیدھی اور سچی ملت کا دین یہی ہے، جس کی دعوت نبی کریم ﷺ نے دی۔ لیکن اس کے باوجود ان میں سے بہت سے لوگوں نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا، اور اپنی ضد پراڑے رہے۔ الحمد للہ! جن لوگوں کے دلوں میں قبول کا مادہ تھا، جو لوگ ہدایت کی تلاش میں تھے، انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی بات سنتے ہی آپ ﷺ کا چہرہ انور دیکھتے ہی حق کو قبول کر لیا۔

یہ بدترین مخلوق ہیں

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي

۴۴

ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم اور توفیق کا نتیجہ ہے۔ اس ملک کے قائم کرتے وقت ہم نے یہ وعدے کئے تھے کہ ”پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ“ یعنی اللہ سے ہم مانگتے تھے کہ اے اللہ، ہم ہندو اور انگریزوں کی دہری چکی میں پس رہے ہیں، اے اللہ! ہمیں الگ سے ایک ملک عطا فرما دیجئے، اللہ تعالیٰ نے ہزار مخالفتوں کے باوجود، ہزار دشمنوں کی سازشوں کے باوجود اپنے فضل و کرم سے ہمیں یہ ملک عطا فرما دیا۔

ہم نے بھی وعدہ کی خلاف ورزی کی

لیکن ہم نے جو وعدے کئے تھے کہ ہم اس ملک میں اللہ کے دین پر عمل کریں گے، اس وعدہ کی خلاف ورزی میں ہم پوری قوم مبتلا ہے، حکومتوں نے تو اس وعدہ کو پھینک کر ضلالت اور گمراہی کا راستہ اختیار کیا ہی تھا، لیکن ہم میں سے بھی کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس وعدہ خلافی کا مرتکب نہ ہو، ہماری اجتماعی زندگی تباہ ہو چکی ہے، اور اس کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ حرام خوری ہماری زندگی کے اندر رچ بس گئی ہے۔ رشوت ستانی، دھوکہ دہی میں ہم مشہور ہو چکے ہیں۔ دنیا کے اندر ہمارا تعارف اس اعتبار سے کرایا جاتا ہے کہ پاکستانی قوم دھوکہ باز ہے، پاکستانی قوم رشوت لینے والی ہے، اس کا نتیجہ ہم آج اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ رہے ہیں کہ اس ملک کے جس پہلو کو دیکھو، سیاست سے لے کر معیشت تک اور امن و امان سے لیکر گھروں کے تحفظ تک ہر انسان ایک پریشانی میں، اضطراب میں، بے چینی اور کرب کے اندر مبتلا ہے۔ کسی کی جان محفوظ نہیں، کسی کا مال محفوظ

۴۳

تعالیٰ نے ان کو جو انعام دیا، وہ اس پر خوش ہیں۔ اور یہ انجام درحقیقت اس شخص کا ہوتا ہے جو اپنے پروردگار کی عزمت اور جلال کا رعب اپنے دل میں رکھے، اس کو یہ نعمت حاصل ہوتی ہے، جو مؤمنین کے لئے بیان فرمائی گئی ہے۔ یہ مختصر ترجمہ تھا اس سورت کا۔

اس سورت کا بنیادی پیغام

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ انشاء اللہ اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا فرمائی تو اس سورت کی ایک ایک آیت کی تشریح عرض کروں گا۔ لیکن اس وقت اس سورت سے جو بنیادی پیغام ہمیں مل رہا ہے وہ یہ کہ روشن دلیل آجانے کے بعد اگر کوئی شخص ہٹ دھرمی کا طریقہ اختیار کرتا ہے، اور اپنے آپ کو غفلت میں ڈالتا ہے تو پھر اس کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی، بلکہ وہ طرح طرح کی گمراہیوں میں اور طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ آخرت میں تو اس کا انجام خراب ہے ہی، لیکن اس دنیا میں بھی ایسے شخص کا انجام بہت خراب ہوتا ہے، یہ ایک مختصر پیغام ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو اس سورت میں دیا ہے۔

یہ ملک اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے

میں اس پیغام کے حوالے سے مختصراً یہ فریاد کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں اپنی رحمت کی اور اپنے کرم کی اور اپنی قدرت کاملہ کی اتنی نشانیاں دکھائی ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ یہ ملک جس میں ہم اور آپ بیٹھے

۴۵

نہیں، کسی کی آبرو محفوظ نہیں، اور آگے بھی امید کی کوئی کرن بھی چمکتی نظر نہیں آتی۔

ہم سب توبہ استغفار کریں

یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تازیانہ ہے جو ہمیں لگایا جا رہا ہے، قرآن کریم کا کہنا یہ ہے کہ ہم کبھی انسانوں کو خوش حالی سے آزماتے ہیں، اور کبھی بد حالی سے آزماتے ہیں۔ لہذا اس وقت یہ بد حالی جو ہمارے اوپر مسلط ہے، یہ درحقیقت خود ہماری ان حرکتوں اور کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔ خدا کے لئے ہم اپنی جانوں پر رحم کر کے اپنے آپ کو اقراری مجرم بنا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار اور توبہ کا شعار بنائیں، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ہر نماز کے بعد ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار اور توبہ کا شعار بنائے، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ہر نماز کے بعد ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کے سامنے روئے اور گڑ گڑائے کہ یا اللہ ہم اپنی کرتوتوں کی وجہ سے اس مقام تک پہنچ گئے ہیں۔ اے اللہ! اپنی رحمت سے ہمیں معاف فرما، اے اللہ! ہماری قوم کو معاف فرما، ہماری شامت اعمال کو دور فرما، ہم پوری امت کی طرف سے، اور پوری قوم کی طرف سے پورے ملک کی طرف سے ہم آپ کی بارگاہ میں استغفار کرتے ہیں۔

پھر برکت کے دروازے کھل جائیں گے

لہذا ہم میں سے ہر شخص اپنی زندگی کا جائزہ لے کر دیکھے کہ میں کہاں کہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہو رہا ہوں، اور پھر اپنی اصلاح کی

۴۶

طرف قدم بڑھائے، یاد رکھئے! قوموں کی زندگی میں اس قسم کی آزمائشیں آتی ہیں، اور جو قوم سنبھل جاتی ہیں، تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت بھی نازل ہوتی ہے، اور اس کا غضب بھی اٹھ جاتا ہے، قرآن کریم میں اللہ فرما رہے ہیں:

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا
عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ وَلَٰكِن
كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۹۶﴾

(سورہ الاعراف: ۹۶)

یعنی اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آئیں، اور تقویٰ کی روش اختیار کر لیں تو یقین رکھو کہ ہم ان پر آسمان سے برکتوں کے دروازے کھول دیں گے۔ اس کا پہلا قدم توبہ اور استغفار ہے۔ آج ہم میں سے ہر شخص توبہ استغفار کو اپنا مطمح نظر بنالے۔ ہر نماز کے بعد اپنے لئے، اور تمام اہل وطن کے لئے، اہل ملت کے لئے۔ پوری قوم کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار اور توبہ کرے، اور اپنی زندگی میں تبدیلی لانے کی کوشش کرے تو بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دن پھیر دے، اور جس عذاب میں ہم لوگ مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس عذاب کو ہم سے ہٹالے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا ان الحمد لله رب العالمین ○



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين
الرحمن الرحيم مالك يوم
الدين اياك نعبد واياك
نستعين اهتدنا الصراط
المستقيم صراط الذين
انعمت عليهم غير المغضوب
عليهم ولا الضالين

اہل کتاب کون اور مشرکین کون؟

(تفسیر سورۃ بینہ)

2

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی



میمن اسلامک پبلشرز

كُتِبَ قِيسَةٌ ۖ وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَةُ ۖ

(سورہ بینہ، آیت ۴۱ تا ۴۲)

أَمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيمُ، وَ صَدَقَ
رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ، وَ نَحْنُ عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ
وَالشَّاكِرِينَ، وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز: یہ سورۃ بینہ ہے جس کی ابتدائی آیات
میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں۔ گزشتہ جمعہ کو میں نے اس کی ابتدائی
آیات کا ترجمہ اور اس کے بنیادی موضوع کا بیان اختصار کے ساتھ کیا تھا۔ اور
ساتھ میں نے یہ عرض کیا تھا کہ انشاء اللہ آئندہ جمعہ میں اس کی ایک ایک آیت
سے متعلق تشریحات انشاء اللہ آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں گا۔

آپ کی بعثت کا مقصد

اس سورت کے ابتداء میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی اس
دنیا میں تشریف آوری اور آپ ﷺ کی بعثت کی ضرورت کا بیان فرمایا ہے،
فرمایا:

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَ
الْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۖ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اہل کتاب کون اور مشرکین کون؟

تفسیر سورۃ البینۃ

2

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ
سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَ مَنْ
يُضِلِّهِ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسَدَنَّا وَنَبِيَّنَا
وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ
وَعَلَى آلِهِ وَآصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۖ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۖ

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَ
الْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۖ
رَسُولٌ مِنَ اللّٰهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۖ فِيهَا

یہودیوں کے مشرکانہ عقائد

لیکن حضرت موسیٰ ؑ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کی حالت تبدیل ہو گئی اور رفتہ رفتہ ان کے اندر خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ جو حقیقت میں حضرت موسیٰ ؑ کے دین میں نہیں تھیں۔ مثلاً یہ کہ ان میں سے بعض نے حضرت عزیز ؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دینا شروع کر دیا۔ بعد میں یہ کہا کہ ہم سب اللہ کے بیٹے ہیں:

نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ (سورہ المائدہ: ۱۸)

اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ اللہ کی محبوب مخلوق تو صرف ایک ہی ہے، وہ ”بنی اسرائیل“ ہیں، اور پوری دنیا کے انسان اللہ کی سوتیلی مخلوق ہیں۔ اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضرت یعقوب ؑ کی اولاد میں جتنے لوگ آتے ہیں وہ تو اللہ کے چنیدہ اور برگزیدہ بندے ہیں اور یہی لوگ درحقیقت جنت کے مستحق ہیں، اور ان کے علاوہ جو غیر قومیں ہیں، چاہے حضرت ابراہیم ؑ کی اولاد میں ہوں، اور بنی اسماعیل میں سے ہوں، وہ غیر قوم ہیں۔ بلکہ وہ چرندوں اور درندوں اور جانوروں سے بھی بدتر قوم ہیں، اور نجات صرف بنی اسرائیل کی ہوگی، دوسرے لوگ چاہے وہ کچھ بھی کر لیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب نہیں بن سکتے۔ ان کے علاوہ اور نہ جانے کتنے باطل عقیدے اختیار کر لئے، جس کی وجہ سے وہ کافر گمراہ قرار پائے، ورنہ اصل میں وہ حضرت موسیٰ ؑ کے دین پر ہونے کی وجہ سے سیدھے راستے پر تھے اور حضرت موسیٰ ؑ نے ان کو سیدھے راستے پر ڈالا تھا۔ لیکن بعد

یعنی آپ کو اس دنیا میں اس لئے مبعوث فرمایا گیا کہ جو لوگ دنیا میں گمراہی کے اندر مبتلا تھے، وہ اپنی گمراہی میں اتنے آگے چلے گئے تھے کہ جب تک ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں ایک روشن دلیل نہ آجاتی، اس وقت تک اپنے کفر اور گمراہی سے باز آنے والے نہیں تھے۔

اہل کتاب کون؟

دنیا میں کفر، شرک اور گمراہی کے مظاہرے دو قسم کے لوگوں کی طرف سے ہوتے رہے ہیں، ایک تو وہ لوگ ہیں جن کو اہل کتاب کہا جاتا ہے، اہل کتاب ان کافروں کو کہا جاتا ہے جو اصل میں کسی نہ کسی پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں، بلکہ جس پیغمبر پر ایمان لانے کے مدعی ہیں۔ ان سے پہلے جو پیغمبر آئے، ان سب پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اور جس پیغمبر پر ایمان لانے کے مدعی ہیں۔ اس پیغمبر پر جو کتاب نازل ہوئی تھی۔ اس کو بھی فی الجملہ مانتے ہیں۔ اس لئے ان کو ”اہل کتاب“ کہا جاتا ہے۔ مثلاً یہودی ہیں۔ جو اپنے آپ کو حضرت موسیٰ ؑ کا پیروکار کہتے ہیں کہ ہم حضرت موسیٰ ؑ کے متبع ہیں، اور ان کے دین پر ہیں، اور حضرت موسیٰ ؑ کو آسمانی کتاب ”تورات“ عطا کی گئی تھی، اس ”تورات“ پر بھی فی الجملہ ایمان رکھتے ہیں، لہذا وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجے جاتے رہے ہیں۔ اور حضرت موسیٰ ؑ بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے، اور ان پر بھی آسمانی کتاب تورات نازل ہوئی تھی۔ وہ ان سب باتوں کو مانتے ہیں۔

ان کے یہاں بھی ختم ہو گیا۔ یہ ہیں ”اہل کتاب“ جن کو قرآن کریم ”اہل کتاب“ کہتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی کتابیں نازل ہوئی تھیں، اور اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبروں نے ان کو سیدھا راستہ دکھایا تھا۔ لیکن بعد میں یہ لوگ بھٹک گئے۔

مشرکین کے عقیدے

دوسری قسم کافروں اور گمراہوں کی وہ تھی جو سرے سے کسی پیغمبر کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے، اور انہوں نے شروع ہی سے اپنے قیاسی گھوڑے دوڑا کر بے شمار خدا بنا رکھے تھے، اللہ تبارک و تعالیٰ کی تنہا عبادت کرنے کے بجائے وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے، حالانکہ وہ اس بات کو مانتے تھے کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، لیکن ساتھ میں یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سارے اختیار مختلف دیوتاؤں کے سپرد کر دیئے ہیں۔ کوئی اختیار ”لات“ کو دیدیا، کوئی اختیار ”عزی“ کو دیدیا، کوئی اختیار ”منات“ کو دیدیا۔ کوئی اختیار ”ہبل“ کو دیدیا۔ اس طرح انہوں نے مختلف بت بنا رکھے تھے، اور ان کے مختلف نام رکھے ہوئے تھے، چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سارے اختیارات ان بتوں کو مل گئے ہیں۔ لہذا ان کی عبادت کرو۔ تو یہ بت تمہیں رزق دیں گے، یہ بت تمہیں اولاد دیں گے۔ یہ تمہاری مرادیں پوری کریں گے۔ یہ تمہاری مشکلات دور کریں گے، وہ لوگ ان بتوں کے آگے سجدے کر کے اور ان کو اپنا معبود بنا کر یہ سمجھتے تھے کہ دنیا کی راحت دینے والے یہ بت ہیں۔ قرآن

میں ان کے اندر یہ گمراہیاں پیدا ہو گئیں۔

عیسائیوں کے مشرکانہ عقیدے

دوسرے ”اہل کتاب“ وہ ہیں، جن کو ”عیسائی“ اور ”نصرانی“ کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ u کا پیروکار اور ان کا متبع قرار دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ u پر اللہ تعالیٰ نے ”انجیل“ نازل فرمائی، لہذا وہ انجیل کے بھی قائل ہیں، لیکن یہ لوگ حضرت عیسیٰ u کی محبت میں غلو کر کے انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ دراصل حضرت عیسیٰ u اللہ کے بیٹے تھے۔ اور یہ کہنے لگے کہ ”خدا“ تین چیزوں سے مل کر بنتا ہے، ایک باپ، ایک بیٹا، ایک روح القدس۔ اب سارے انبیاء o توحید کی تعلیم دیتے آئے ہیں۔ ساری کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق بھی نہیں، کوئی معبود بھی نہیں، لیکن ان لوگوں نے خدا کے اندر حصے بخرے کر کے ”ثالثیت“ کا عقیدہ بنا لیا کہ باپ، بیٹا، اور روح القدس، تینوں ملکر خدا بنتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ u جو اللہ کے پیغمبر تھے، اللہ کا سچا پیغام لیکر آئے تھے، اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ان پر نازل ہوئی تھی۔ اس کے باوجود انہوں نے حضرت عیسیٰ u کو خدا کا بیٹا بنا دیا، اور خدا بنا دیا، چنانچہ آج ان کے کلیساؤں میں حضرت عیسیٰ u کی صلیب کی عبادت ہوتی ہے۔ ان کے خیال میں حضرت عیسیٰ u کو صلیب پر چڑھایا گیا تھا، اور اس کے علاوہ حضرت مریم i اور حضرت عیسیٰ u کی تصویریں لگی ہوتی ہیں۔ ان کی عبادت ہوتی ہے، لہذا خدائے وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کا تصور

۵۶

تشریف لائے۔ کیوں؟ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ سے پہلے جو پیغمبر ہوتے تھے، ان کو خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، مثلاً حضرت موسیٰ u بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے، اور ان کے ذمے ان کی ہدایت کا کام سونپا گیا تھا، اسی طرح قوم عاد کی طرف حضرت ہود u کو بھیجا گیا تھا۔ قوم ثمود کی طرف حضرت صالح u کو بھیجا گیا، ان کی جو ذمہ داریاں تھیں، وہ صرف ان کی قوم کی حد تک محدود تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی زمانے میں کئی کئی پیغمبر بھیجے جاتے تھے۔ ایک پیغمبر کو ایک قوم کی طرف بھیجا گیا، اور اسی زمانے میں دوسرے پیغمبر کو دوسری قوم کی طرف بھیجا گیا۔ اسی زمانے میں تیسرے پیغمبر کو کسی تیسری قوم کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا، اس طرح پیغمبر اس قوم کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا۔ اس طرح ہر پیغمبر اس قوم کے لئے پیغمبر ہوتا تھا جس کی طرف اس کو بھیجا گیا۔

آپ کی نبوت قیامت تک کیلئے ہے

لیکن جب نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا تو آپ کی رسالت، آپ کی نبوت، آپ کا پیغام، آپ کی دعوت کا دائرہ کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص نہیں تھا، بلکہ پوری دنیا کے لئے اور پوری انسانیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا۔ چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا

وَلَكِن أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۸﴾ (سورہ سباء: ۲۸)

کہ ہم نے آپ کو سارے انسانوں کی طرف خوشخبری دینے والا اور

۵۵

کریم ایسے لوگوں کو ”مشرکین“ کہتا ہے، حالانکہ حقیقت میں اہل کتاب بھی مشرک تھے، کیونکہ انہوں نے اللہ کی عبادت میں حضرت عیسیٰ u کو شریک ٹھہرا دیا تھا، لیکن وہ لوگ فی الجملہ آسانی کتاب کو بھی مانتے تھے، اس لئے قرآن کریم نے ان کو ”اہل کتاب“ سے لفظ تعبیر فرمایا، اور جو بت پرست تھے، اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت سے خداؤں کو اپنا معبود بنایا ہوا تھا، ان کو قرآن کریم اپنی اصطلاح میں ”مشرکین“ کہتا ہے۔

دونوں کی ہدایت کیلئے آپ کو بھیجا

سورۃ بینہ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ دونوں قسم کے کافر، چاہے وہ اہل کتاب میں سے ہوں، اور چاہے وہ مشرکین میں سے ہوں اور بت پرست ہوں، یہ دونوں اپنی گمراہی میں اتنے غرق ہو چکے تھے، اور اتنے آگے بڑھ چکے تھے کہ ان کا راہ راست پر آنا ممکن نہیں تھا جب تک نبی کریم محمد مصطفیٰ ﷺ ایک روشن دلیل بن کر ان لوگوں کے سامنے نہ آئیں، اس لئے ہم نے نبی کریم ﷺ کو بھیجا۔

آپ پوری انسانیت کیلئے آئے تھے

اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے، وہ پوری انسانیت کے لئے آئے، اور ہر قسم کی گمراہی اور ہر قسم کے کفر کے خاتمے کے لئے اور ہر قسم کے کافروں کو ہدایت دینے کے لئے دنیا میں

آپ e کا پیغام سب کیلئے تھا

بہر حال! آپ ﷺ کو ساری دنیا کے لئے اور ساری انسانیت کے لئے بھیجا گیا، اس آیت میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ لوگ چاہے اہل کتاب ہوں، چاہے مشرکین ہوں، اور مشرکین عرب میں بھی تھے، اور عرب سے باہر دنیا کے دوسرے علاقوں میں بھی تھے، اسی طرح اہل کتاب عرب میں بھی تھے، اور زیادہ تر عرب سے باہر تھے، ان سب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سارے کافر لوگ، چاہے وہ اہل کتاب میں سے ہوں، اور چاہے وہ مشرکین میں سے ہوں، کسی بھی جگہ رہنے والے ہوں، کسی بھی قوم سے ہوں، کسی بھی نسل سے تعلق رکھتے ہوں، وہ سب ایسے تھے کہ جب تک ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کی صورت میں ایک روشن دلیل نہ آجاتی اس وقت تک وہ راہِ راست پر آنے والے نہیں تھے، اس لئے ہم نے نبی کریم ﷺ کو بھیجا، اور آپ ﷺ کا پیغام یکساں طور پر اہل کتاب کے لئے بھی تھا، اور مشرکین کے لئے بھی تھا۔

اہل کتاب کیلئے آپ e کا پیغام

اہل کتاب کے لئے پیغام یہ تھا کہ تم اگرچہ اللہ کے سچے رسول کو ماننے والے ہو اور اگرچہ تم اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب کو ماننے والے ہو۔ لیکن تم نے اس کے پیغام میں اور اس کی کتاب میں تبدیلیاں کر دی ہیں، اور جو توحید والا دین وہ لے کر آئے تھے، وہ تم نے بدل کر رکھ دیا ہے۔ لہذا اب دوبارہ اس

ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اس وجہ سے آپ کی ذات بالا صفات پر نبوت کا سلسلہ ختم ہونا تھا۔ آپ سے پہلے جتنے انبیاء کرام q تشریف لائے جو ایک روایت کے مطابق کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار تھے، اس سلسلہ نبوت کا اختتام نبی کریم ﷺ پر ہونا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ کو ایسا پیغمبر اور ایسا نبی بنا کر بھیجا گیا جو پوری دنیا کے لئے اور پوری انسانیت کے لئے عام تھا۔ تاکہ آپ کا پیغام قیامت تک ساری دنیا کے لئے واجب العمل ہو جائے، اور آپ کے اوپر ”قصر نبوت“ کی تکمیل ہو جائے۔

محل نبوت کی آخری اینٹ

ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری مثال ایسی ہے جیسے ایک بہت شاندار محل ہو، اور وہ محل پورا اور مکمل بنا ہوا ہو، لیکن اس ”محل“ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہو، اس ایک اینٹ کے نہ لگنے کی وجہ سے وہ پورا محل نامکمل نظر آ رہا تھا، اب جو لوگ اس محل کی زیارت کے لئے اور اس کو دیکھنے کے لئے آتے، وہ یہ کہتے کہ یہ ”محل“ تو بہت اچھا بنا ہوا ہے، لیکن اس جگہ پر ایک اینٹ موجود نہیں ہے، جس کی وجہ سے پورا ”محل“ نامکمل نظر آ رہا ہے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہ ”محل“ نبوت کا محل ہے، اور وہ آخری اینٹ جس کی جگہ خالی ہے، وہ میں ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس اینٹ کے ذریعہ ”محل نبوت“ کی تکمیل فرمادی۔

کریم ﷺ کو اس دنیا میں بھیجا۔ چنانچہ فرمایا:

لَمَّا يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَ
الْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝

یعنی یہ کافر لوگ چاہے اہل کتاب میں سے ہوں، چاہے مشرکین میں سے ہوں، یہ اپنی گمراہی سے باز آنے والے نہیں تھے، جب تک کہ ان کے سامنے ایک روشن دلیل نہ آجاتی، اور وہ روشن دلیل کیا ہے، اس کا بیان اگلی آیت میں فرمایا کہ:

رَأْسُوَلٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝
كُتِبَ فِيهَا ۝

وہ روشن دلیل انسانیت کے محسن اعظم رحمۃ للعالمین ﷺ ہیں، جو اللہ کی طرف سے بھیجے گئے، جو ان کے سامنے پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں، اور ان پاکیزہ صحیفوں میں قیمتی اور سچی تحریریں موجود ہیں۔ ایسی کتاب ان کو پڑھ کر سناتے ہیں، اگر ایسے رسول ان کے پاس نہ آتے تو وہ ہمیشہ گمراہی میں مبتلا رہتے۔

وہ لوگ ہدایت پا گئے

چنانچہ جن لوگوں کے دلوں میں طلب حق کا مادہ تھا، اور جو لوگ اس روشن دلیل کے آنے کے بعد اس کی اتباع کا جذبہ رکھتے تھے، نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری کے نتیجے میں ان کی زندگیوں میں انقلاب آ گیا۔ اور وہ لوگ جو

بات کی طرف لوٹو جو تمہارے پیغمبروں نے تمہیں بتائی تھی اور ان پیغمبروں نے اپنی کتابوں میں اور اپنے ارشادات میں اپنی قوم کو یہی بتایا تھا کہ نبی آخر الزماں نبی کریم ﷺ تشریف لانے والے ہیں اور ان پر بھی تم کو ایمان لانا ہوگا۔ یہ ساری باتیں ان کو بتائی تھیں، لہذا تمہارا فرض ہے کہ تم نبی آخر الزماں کو تسلیم کرو اور اپنی گمراہیوں سے باز آ جاؤ۔

مشرکین کیلئے آپ کا پیغام

اسی طرح مشرکین کو اور خاص طور پر عرب کے مشرکین کو یہ پیغام دینا تھا کہ اگرچہ وہ کسی پیغمبر کے قائل نہیں تھے، اور آخرت کے قائل نہیں تھے، لیکن حضرت ابراہیم ؑ کو مانتے تھے، کیونکہ سارے عرب کے لوگ حضرت ابراہیم ؑ کی اولاد سے پیدا ہوئے ہیں، اس لئے وہ ان کو مانتے تھے کہ وہ بڑے مقدس بزرگ تھے، ان مشرکین کو پیغام دینا تھا کہ تم اپنے جدا مجد حضرت ابراہیم ؑ کو تسلیم کرتے ہو۔ لیکن ان کا توحید والا جو دین تھا، اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے والا دین تھا، ایک اللہ کی عبادت کرنے والا دین تھا، اسی دین کو تم نے چھوڑ رکھا ہے، آج میں تمہارے لئے یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ اس دین کی طرف واپس آ جاؤ۔

حضور e کی ذات روشن دلیل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اس ضرورت کے تحت ہم نے نبی

اگلی آیات اگلے جمعہ میں

لیکن اگلی آیتوں میں ان لوگوں کا بیان ہے جنہوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی تعلیم، تربیت، تبلیغ، دعوت اور پیغام کو ہٹ دھرمی کی وجہ سے، ضد کی وجہ سے، اور عناد اور حسد کی وجہ سے نہیں مانا، ان لوگوں کا بیان اگلی آیات سے شروع ہو رہا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی دی تو ان کا بیان اور اسکی تفصیل اگلے جمعہ کو عرض کروں گا۔ انشاء اللہ

تلاوت کا صحیح مفہوم

جس آیت کی تفسیر میں نے عرض کی، اس آیت میں دو باتیں ہمارے لئے سبق کی ہیں۔ ایک بات یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کی سنت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

رَأْسُؤَلٍ مِّنَ اللَّهِ يَشْلُؤُاْ صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝۱

یعنی وہ اللہ کے رسول پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں، یعنی قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں، قرآن کریم پڑھنے کو ”تلاوت“ کہتے ہیں، ویسے تو عربی زبان میں پڑھنے کے لئے ایک اور لفظ ”قرأت“ آتا ہے، ”قرأت“ کے معنی ہیں ”پڑھنا“، لیکن قرآن کریم کو پڑھنے کے لئے قرأت کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے ”تلاوت“ کا لفظ استعمال کیا۔ اور عرف میں بھی قرآن کریم پڑھنے کے لئے ”تلاوت“ کا ہی لفظ استعمال ہوتا ہے، کسی اور کتاب کے

گمراہی میں پڑے ہوئے تھے، چاہے وہ اہل کتاب میں سے ہوں، یا مشرکین میں سے ہوں، جب ان کے پاس روشن دلیل آگئی تو انہوں نے اس روشن دلیل کو تسلیم کیا، اور تسلیم کر کے اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہوئے، اور اللہ تعالیٰ کے دین کو مانا، اس کے احکام کی پیروی کی، اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع میں اپنی زندگیاں صرف کیں۔ جس کے نتیجے میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی بعثت کا مقصد ان صحابہ کرام [کے ذریعہ پورا ہوا۔ جو آپ کی بعثت سے پہلے گمراہی میں پڑے ہوئے تھے، لیکن آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد، آپ کی باتیں سننے کے بعد، آپ پر نازل کی ہوئی کتاب پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت کا ایک روشن چراغ بنا دیا۔

صحابہ [ستارے بن گئے

ان صحابہ کرام [کو ایسا چراغ بنا دیا کہ ایک حدیث میں جناب رسول

اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَصْحَابِي كَالنَّجْمِ بِأَيْهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اهتديتم

میرے صحابہ [ستاروں کی طرح ہیں۔ ان میں سے تم جس کی بھی اقتداء کر لو گے، ہدایت پر آ جاؤ گے، ایسے انسان پیدا کر دیے۔ تو سرکارِ دو عالم ﷺ کی بعثت کا مقصد اس آیت میں بیان فرمایا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کے نتیجے میں جن لوگوں کی ہدایت عطا فرمائی، اس سے آپ کی بعثت کا مقصد پورا ہو گیا۔

نماز میں اور خارج نماز اسی انداز سے تلاوت واجب ہے

اس سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ ہم لوگوں کو جب قرآن کریم پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، چاہے نماز میں یا نماز سے باہر، تو وہ محض اس طرح نہیں کہ جس طرح چاہا پڑھ لیا۔ بلکہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ قرآن کریم کو اس طرح پڑھے جس طرح جبریل امین ؑ نے نبی کریم ﷺ کو سکھایا، اور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام [کو سکھایا، یعنی ہر حرف کو اسی مخرج سے ادا کیا جائے، اور اسی طرح ادا کیا جائے جس طرح جبریل امین ؑ نے ادا کیا، اور جس طرح نبی کریم ﷺ نے ادا کیا۔

س، ث اور ص میں فرق کریں

اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے کہ عربی زبان میں 'س'، 'ث'، 'ص' یہ تین حروف ہیں، ان تینوں کی آواز ملتی جلتی ہے، لیکن تینوں میں بڑا فرق ہے، 'س' کسی اور طرح سے پڑھا جاتا ہے، 'ث' نرمی کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، 'ص' موٹا کر کے ادا کیا جاتا ہے۔ اب ہم جو ہندوستانی پاکستانی لوگ ہیں، جب قرآن کریم کو اپنے طور پر پڑھتے ہیں تو ان تینوں میں فرق نہیں کرتے، اگر اس طرح قرآن کریم پڑھا جائے تو یہ تلاوت نہیں کہلائے گی۔ لہذا ہر مسلمان کے ذمے یہ سیکھنا ضروری ہے کہ 'س' کس طرح ادا کیا جاتا ہے۔ اور 'ث' کس طرح ادا کیا جاتا ہے، اور 'ص' کس طرح ادا کیا جاتا ہے۔

پڑھنے کو تلاوت نہیں کہتے، کیوں؟ اس لئے کہ تلاوت کا مفہوم عربی زبان میں یہ ہے کہ کوئی شخص کوئی چیز لکھنے والے کی تلقین کے مطابق پڑھے، یعنی جس نے وہ تحریر لکھی ہے، اس نے جس طرح پڑھنے کو کہا ہے، اس طرح پڑھے، تب وہ تلاوت کہلائی گی، اگر کوئی شخص اپنی مرضی سے پڑھتا چلا جائے تو وہ تلاوت نہیں ہوتی، وہ قرأت ہوتی ہے۔ لہذا تلاوت کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن کریم اس طرح پڑھنا جس طرح اللہ تعالیٰ نے پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے۔

ورنہ تلاوت نہیں کہلائے گی

سورة القيامة میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا:

فَإِذَا قَرَأَهُ فَأَتَّبِعْ قُرْآنَهُ (سورة القيامة: ۱۸)

کہ جب ہم تمہارے پاس قرآن کریم کی تلاوت کریں یعنی ہمارا فرشتہ تلاوت کرے تو پھر تم اس کی تلاوت کی اتباع کرو، یعنی جس طرح فرشتہ پڑھ رہا ہے، اسی طرح تمہیں پڑھنا ہوگا۔ لہذا "تلاوت" کے معنی ہوئے کہ قرآن کریم کو اس طرح پڑھنا جس طرح وہ نازل ہوا، اور جس طرح جبرائیل امین ؑ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے پڑھا، اور جس طرح نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام [کو پڑھ کر سنایا، اس طرح پڑھیں گے تو وہ "تلاوت" ہوگی، اور اگر اس سے ہٹ کر کسی اور طریقے سے پڑھیں گے تو وہ تلاوت نہیں کہلائیگی، وہ لفظی معنی کے اعتبار سے قرأت ہوگی۔

ہو جائے گا، لیکن چونکہ اس طرف توجہ نہیں ہے، دھیان اور فکر نہیں ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ ایسا کرنا واجب ہے، اس وجہ سے قرآن کریم کو غلط طریقے سے پڑھتے ہیں، اور غلط پڑھنے کے نتیجے میں تلاوت کی برکات سے محروم ہیں۔ بہر حال! اس آیت سے ایک سبق تو ہمیں یہ مل رہا ہے کہ ہم اپنی تلاوت کو واقعی تلاوت بنائیں۔

اللہ کا شکر ادا کریں

دوسری بات یہ ہے کہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ روشن دلیل جو نبی کریم ﷺ کی شکل میں عطا فرمائی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کے ماننے والوں میں ہمیں شامل کر دیا اور اس گروہ میں شامل نہیں کیا، جس نے اس روشن دلیل سے انکار کیا، اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کیا جائے، کم ہے اور اس شکر کا حق یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی تعلیمات کو اپنی زندگی کے اندر اپنائیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین ○

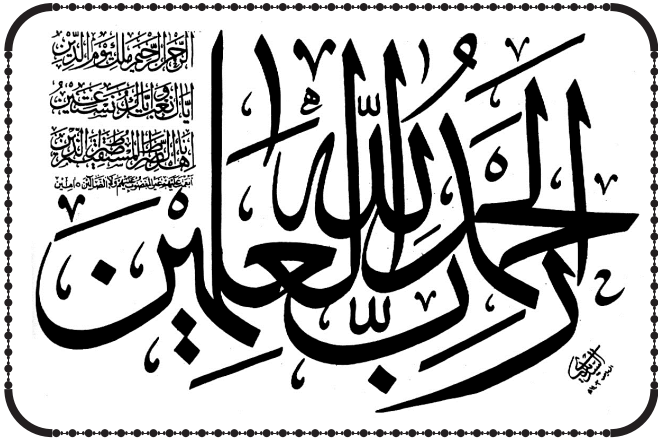


ز، ض، ظ میں فرق کریں

اسی طرح 'ز' اور 'ذ' ہے، 'ظ' اور 'ض' ہے۔ ان چاروں کی ملتی جلتی آوازیں ہیں۔ لیکن اگر ان سب کو ایک ہی طریقے سے پڑھا جائے تو اس کو تلاوت نہیں کہیں گے، بلکہ بعض اوقات معنی بدل جائیں گے، عربی زبان میں اگر 'ز' کی جگہ 'ذ' پڑھ دیا، یا 'ظ' کی جگہ 'ض' پڑھ دیا یا 'س' کی جگہ 'ث' پڑھ دیا 'ث' کی جگہ 'س' پڑھ دیا، تو اس سے معنی بھی بدل جائیں گے۔ اس لئے قرآن کریم کی تلاوت کو صحیح طریقے سے ادا کرنا، اور اس کو سیکھنا ہر مسلمان کے ذمے واجب ہے، اگر کسی نے صحیح نہ سیکھا ہو، اور وہ نماز میں سورۃ فاتحہ یا کوئی دوسری سورت پڑھے گا تو بعض اوقات نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ نماز ہی نہیں ہوتی، لہذا مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ہر حرف کو صحیح طور پر ادا کرنے کا طریقہ سیکھے۔

مشق کے ذریعہ تلاوت کو تلاوت بنائیں

اور یہ کوئی اتنا لمبا جوڑا مسئلہ نہیں ہے، پورے قرآن کریم میں جو حروف استعمال ہوئے ہیں، وہ کل ۲۹ ہیں اور ان ۲۹ حروف میں سے بہت سے حروف ایسے ہیں، جن کی ادائیگی میں کوئی مسئلہ نہیں، اور کوئی مشکل نہیں آتی، جیسے 'ب' ہے 'م' ہے 'ل' ہے، البتہ چند حروف ایسے ہیں، جن کو سیکھنے کی ضرورت ہے، اور کسی جاننے والے سے باقاعدہ مشق کی ضرورت ہے، اگر فرض کرو کہ ۲۹ حروف کی مشق کرنی ہے تو روزانہ ایک حرف کی مشق کر لو، تو ۲۹ دن میں پورا قرآن کریم صحیح



انسانوں کی تین قسمیں

(تفسیر سورۃ بینہ)

3

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی



میمن اسلامک پبلشرز

أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ
خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۖ إِنَّ
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُمْ
خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۖ (سورہ بینہ، آیت ۵ تا ۷)

آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيمَ، وَصَدَقَ
رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ، وَنَحْنُ عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ
وَالشَّاكِرِينَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز، رمضان المبارک سے پہلے میں نے
سورۃ البینۃ کی تفسیر اور تشریح کا سلسلہ شروع کیا تھا، اور اس سلسلے میں دو بیانات
الحمد للہ ہو چکے ہیں، اس سورت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے دنیا
میں تشریف لانے کی وجہ بیان فرمائی ہے۔ سورت کے شروع میں یہ فرمایا کہ
حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں جتنے لوگ کافر تھے، وہ چاہے اہل کتاب
سے تعلق رکھتے ہوں، یعنی یہودی یا نصرانی ہوں، یا بت پرست ہوں، جن کو
مشرکین کہا گیا ہے، یہ اس وقت تک اپنے کفر اور گمراہی سے باز آنے والے
نہیں تھے، جب تک کہ ان کے سامنے کوئی روشن دلیل نہ آ جاتی، وہ روشن دلیل کیا
ہے؟ وہ ہے:

رَسُولٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۖ فِيهَا كُتِبَ
قَبِيلُهُ ۖ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انسانوں کی تین قسمیں

تفسیر سورۃ البینۃ

3

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ
سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
يُضِلِّهِ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا
وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ
وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۖ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۖ

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ
الدِّينَ ۖ حَقَّاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ
وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۖ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ

۷۱

یعنی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر جو ان کے سامنے پاکیزہ صحیفہ تلاوت کر کے سناتے، جس میں سیدھی اور سچی باتیں تحریر میں لکھی ہوئی موجود ہیں۔

اس آیت کے ذریعہ یہ بتایا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اس دنیا میں بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی تشریف آوری کے بغیر یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے، اور اپنی گمراہیوں سے باز آنے والے نہیں تھے۔ اور جب رسول کریم ﷺ کو پیغمبر بنا کر دنیا میں بھیج دیا گیا تو اس کے نتیجے میں انسانوں کے دو گروہ ہو گئے، ان دو گروہوں کا بیان ان آیات میں کیا گیا ہے جو میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کیں، یعنی ایک گروہ وہ تھا جو نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری کے باوجود اور آپ ﷺ کی نبوت اور رسالت کی روشن دلیلیں ان کے سامنے آجانے کے باوجود وہ ضد کی وجہ سے، حسد کی وجہ سے، ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنی گمراہی پر قائم رہا، اور ایمان نہیں لایا، اور ایک گروہ وہ تھا جو پہلے گمراہی میں مبتلا تھا، لیکن جب نبی کریم ﷺ نے قرآن کریم کی شکل میں اور اپنے ارشادات کی شکل میں روشن دلیلیں ان کے سامنے پیش کیں تو وہ اپنی گمراہی سے باز آ گئے، اور ایمان لا کر انہوں نے اپنی زندگی کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کے مطابق استوار کر لیا۔

دو گروہ میں تقسیم ہو گئے

جو لوگ اپنے کفر پر قائم رہے، چاہے وہ اہل کتاب میں سے ہوں، یعنی یہودی اور نصرانی ہوں، یا مشرکین میں سے ہوں، یعنی بت پرست ہوں، ان کے

۷۲

بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

فِي نَارٍ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ①

وہ لوگ جہنم کی آگ میں ہوں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے، اور یہ لوگ اپنے کفر پر قائم ہیں، وہ تمام مخلوقات میں سب سے بدترین لوگ ہیں۔ اور اگلی آیت میں فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ②

کہ جو لوگ ایمان لائے، اور نیک اعمال کئے، یہ لوگ تمام مخلوق میں سب سے بہتر لوگ ہیں۔

دونوں گروہوں میں موازنہ

دونوں گروہوں کا موازنہ کر کے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمادیا کہ جو کافر ہیں، وہ بدترین مخلوق ہیں، اور وہ آخرت میں جہنم کے عذاب میں ہوں گے، اور ہمیشہ اس میں رہیں گے، اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے عمل صالح بھی کئے ہیں، نیک کام بھی کئے ہیں۔ وہ بہترین مخلوق ہیں، اور وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

بعض کافر بھی تو نیک کام کرتے ہیں؟

یہاں ایک سوال ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں تمام کافروں

۷۴

ایمان رکھتا ہے وہ شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کا معاملہ کرتا ہے، اور جو شخص کفر کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے وفائی کرتا ہے، کیونکہ جس اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا۔ جس نے اس کی پرورش کی، اور جو اس کو رزق دیتا ہے، اور جو اس کو دنیا کے اندر بے شمار نعمتوں سے نوازتا ہے، اس اللہ کے بارے میں کافر نے یہ کہہ دیا کہ ہم آپ کو نہیں مانتے، یا اگر مانتے ہیں تو اس کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک ٹھہراتے ہیں، اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے سے انکار کرتے ہیں، تو یہ لوگ بے وفائے ہیں، اللہ تعالیٰ کے وفادار نہیں ہیں۔

وہ نوکر جو آقا کو آقا ماننے سے انکار کرے

اور اس دنیا میں سب سے زیادہ قیمت وفاداری کی ہے، اس کو ایک سادہ مثال سے سمجھیے، فرض کرو ایک شخص کا ایک نوکر ہے، وہ شخص اس نوکر کو تنخواہ دیتا ہے، اس کو کھانا دیتا ہے، اس کو رہائش دے رکھی ہے، اس کے کپڑوں کا انتظام کرتا ہے، لیکن وہ نوکر اس آقا کو آقا ماننے پر تیار نہیں، اس کی بات نہیں مانتا، آقا اس کو کھانا دیے جا رہا ہے، مگر وہ نوکر کہتا ہے کہ یہ کھانا مجھے آقا نہیں دے رہا ہے، بلکہ مجھے کوئی اور دیتا ہے، اور دوسروں کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہے، اب یہ نوکر دوسروں کے ساتھ بہت اچھا بنتا ہے۔ دوسروں سے بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ ملتا ہے، دوسروں پر جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو ان کی مدد بھی کرتا ہے۔ اگر دوسروں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے ازالے کی کوشش بھی کرتا ہے، اگر دوسرا کوئی بیمار ہو جاتا ہے تو اس کی تیمارداری بھی کرتا ہے، بظاہر دوسرے لوگوں کے

۷۳

کو جو اسلام نہیں لائے، ان کو بدترین مخلوق قرار دیا، اور جو ایمان لائے ہیں اور عمل صالح کئے ہیں، ان کو بہترین مخلوق قرار دیا ہے، ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہت سے کافر ایسے ہیں جو ایمان تو نہیں لائے، لیکن عام زندگی میں ان کے طور طریقے، ان کے کام بعض اوقات بہت اچھے بھی نظر آتے ہیں، بہت سے لوگ جو غیر مسلم ہیں، وہ فلاحی کاموں میں حصہ لیتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں، بیماروں کی تیمارداری کرتے ہیں، اور انسانیت کی بھلائی کے کاموں میں بہت پیسہ خرچ کرتے ہیں، اور ان کے بہت سے کام ظاہری اعتبار سے بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔

ان کے مقابلے میں بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو ایمان تو لے آئے ہیں، لیکن وہ مسلمان ان اچھے کاموں میں ان غیر مسلموں کے برابر نظر نہیں آتے، جبکہ ان آیات میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ جو کافر ہیں، وہ بدترین مخلوق ہیں اور جو ایمان والے ہیں وہ بہترین مخلوق ہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کافروں کے تمام اچھے کاموں پر پانی پھیر کر یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ بدترین مخلوق ہیں۔

کافر درحقیقت کفر کی وجہ سے وفادار نہیں

اس سوال کے جواب کو اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام مخلوق پیدا کی ہے، اور تمام انسان بھی پیدا کئے ہیں، اب جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر، اس کے خالق اور مالک ہونے پر

۷۶

تعالیٰ تو تمام انسانوں کا خالق بھی ہے، مالک بھی ہے، رازق بھی ہے، اگر کوئی انسان یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتا، اور مجھے رزق اللہ تعالیٰ نہیں دیتا، بلکہ فلاں دیوتا دیتا ہے، یا فلاں مخلوق کی میں عبادت کرتا ہوں، اس کو اپنا خدا مانتا ہوں، یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدترین بے وفائی ہے، اپنے خالق اور مالک اور اپنے منعم کے ساتھ بے وفائی ہے، جس ذات نے اس پر اپنی نعمتوں کی بارش کر رکھی ہے، اگر اس ذات کو ماننے سے انکار کرے، یا اس کی بات ماننے سے انکار کرے، اور کسی دوسرے کی عبادت کرے، تو اس سے بڑھ کر بے وفائی اس کائنات میں کوئی اور نہیں ہو سکتی۔

اسکی بے وفائی نے پانی پھیر دیا

لہذا اگر ایسا انسان دوسروں کے ساتھ اچھائی کر رہا ہے، بیشک وہ اس کے اچھے کام ہیں۔ لیکن اس کی بے وفائی نے ان ساری اچھائیوں پر اس طرح پانی پھیر دیا ہے کہ وہ ”أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ“ کا مصداق بن گئے ہیں اور وہ تمام مخلوق میں بدترین مخلوق ہیں، اس لئے کہ انہوں نے اللہ جل شانہ کے ساتھ بے وفائی کی ہے۔

کافروں کو اچھے کاموں کا بدلہ

البتہ انہوں نے جو اچھے کام کئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے اچھے کاموں کا بدلہ اس دنیا ہی میں عطا فرما دیتے ہیں، اگرچہ یہ دنیا ”دارالعمل“ ہے،

۷۵

ساتھ اس کے اخلاق اور سارے معاملات بہت اچھے ہیں، لیکن وہ اپنے آقا کو آقا ماننے سے انکار کرتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ مجھے تنخواہ یہ نہیں دیتا۔ میرے پاس تنخواہ کسی اور جگہ سے آتی ہے۔ رزق مجھے یہ نہیں دیتا، بلکہ کوئی اور دیتا ہے، لباس مجھے یہ نہیں پہناتا، کوئی اور پہناتا ہے، اور وہ آقا ایسا مہربان ہے کہ مسلسل اس نوکر کو اس کے انکار کے باوجود ہر چیز دیئے جا رہا ہے، رزق دیئے جا رہا ہے، کھانا بھی دے رہا ہے، لباس بھی فراہم کر رہا ہے، ہر چیز دے رہا ہے، لیکن وہ نوکر اس آقا کو آقا ماننے سے انکار کر رہا ہے۔

دوسرا نوکر جو آقا کو آقا تسلیم کرتا ہے

اور ایک نوکر وہ ہے جو آقا کی بات مانتا ہے، اور آقا کو اپنا آقا تسلیم کرتا ہے، اور یہ بھی کہتا ہے کہ مجھے سب کچھ یہی دیتا ہے، اور فی الجملہ اس کا احسان بھی مانتا ہے اور ساتھ میں دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرتا ہے۔ اب تم خود ہی دونوں نوکروں کے درمیان توازن کر کے بتاؤ کہ کونسا نوکر اچھا کہلانے کا مستحق ہے؟ یہ تو نوکر کی بات ہے۔

انسان اللہ کا بندہ ہے

انسان نوکر نہیں، غلام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا ہے۔ یہاں دنیا میں آقا نوکروں کو پیدا نہیں کرتے، نہ اس کے رزق کا ذمہ دار ہوتا ہے، بلکہ مہینے کے ختم ہونے پر اس کو صرف تنخواہ دیدیتا ہے۔ لیکن اللہ

وہ بہترین مخلوق ہیں

جو لوگ ایمان لے آئے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ
هُمْ حَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝

کہ جو لوگ ایمان بھی لائے، اور عمل صالح بھی کئے، نیک کام بھی کئے، وہ

بہترین مخلوق ہیں۔ دیکھئے: کافروں کے بارے میں تو یہ فرمایا کہ وہ بدترین مخلوق ہیں، ان کے ساتھ یہ قید نہیں نہیں لگائی کہ انہوں نے برے کام بھی کئے ہوں، بلکہ محض ان کے کفر کی بنیاد پر فرمایا کہ وہ بدترین مخلوق ہیں۔ چاہے اچھے کام کئے ہوں، یا برے کام کئے ہوں۔ اگر انہوں نے اچھے کام کئے ہیں تو ان کا صلہ ان کو دنیا میں مل جائے گا، اس کے باوجود وہ آخرت کے لحاظ سے وہ بدترین مخلوق ہیں، لیکن ایمان والوں کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ جو صرف ایمان لے آئیں گے تو وہ بہترین مخلوق ہو جائیں گے، بلکہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کی قید بھی لگا دی کہ وہ ایمان بھی لائے، اور نیک عمل بھی کئے تو پھر وہ بہترین مخلوق ہیں، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کا عہد بھی کیا اور اس عہد کو عمل صالح کے ذریعہ نبھایا اور اس کو پورا کیا۔

”ایمان لانا“ وفاداری کا ایک عہد ہے

”ایمان لانا“ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کا ایک عہد ہے کہ اے اللہ!

”دارالجزاء“ نہیں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو ”اسباب“ کی بنیاد پر چلایا ہے۔ لہذا اگر کوئی کافر بھی اچھا کام کر رہا ہے تو اس کے اچھے کام کا بدلہ اس کو دنیا ہی کے اندر مل جائے گا، اور اس کی وجہ سے وہ دنیا میں ترقی بھی کر سکتا ہے، چنانچہ آج دنیا میں بہت سے غیر مسلم ترقی کر رہے ہیں، وہ ترقی ان کو ان کے اچھے کاموں کی وجہ سے مل رہی ہے جو انہوں نے دنیا میں کئے ہیں۔

آخرت میں کوئی بدلہ نہیں ملیگا

لیکن جہاں تک آخرت کا تعلق ہے، تو آخرت میں اچھے کام اس وقت قابل قبول نہیں، جب تک وہ کام اللہ تعالیٰ وفاداری کے ساتھ نہ کئے ہوں۔ لہذا آخرت میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں۔

وَقَدْ مَنَّآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً
مَّنْثُورًا ۝ (الفرقان: ۲۳)

یعنی انہوں نے دنیا میں جو کام کئے تھے، وہ آخرت میں گرد و غبار کی طرح اڑ جائیں گے۔ بس دنیا میں ہم نے ان کے عمل کا صلہ دیدیا جیسا حدیث شریف میں فرمایا کہ:

أُولَٰئِكَ حُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

کہ ان کے اچھے کاموں کے جو بدلے تھے، وہ ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی کے اندر دیدئے، آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس لئے فرمایا کہ وہ آخرت میں جہنم میں جائیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے، آمین۔ البتہ چونکہ وفادار تھے، اس لئے سزا بھگتنے کے بعد بالآخر اللہ تعالیٰ ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں بھیج دیں گے۔ بہر حال! انسانوں کی یہ تین قسمیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمائی ہیں۔

اب ہر شخص اپنا جائزہ لے کر دیکھ لے کہ وہ کس قسم میں شامل ہونا چاہتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل سے ”خَيْرُ الْبَرِيَّةِ“ میں شامل فرما دے۔ آمین۔ لیکن ”خَيْرُ الْبَرِيَّةِ“ میں اس وقت شامل ہوگا جب ایمان کے ساتھ ساتھ اس کے اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہوں گے۔ اور اس کا بہترین پیمانہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا، آپ کی سنت، آپ کی سیرت عمل صالح کا ایک نمونہ ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

(سورۃ الاحزاب: ۲۱)

اب ہر مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد اپنی ساری زندگی کے اندر نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی اور آپ کی سنت کی پیروی کرے تو انشاء اللہ وہ شخص ”أُولَئِكَ هُم خَيْرُ الْبَرِيَّةِ“ میں شامل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○



ہم آپ کو اپنا خالق اور مالک مانتے ہیں۔ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم ساری کائنات کا خالق اور مالک صرف ایک خدا کو مانتے ہیں، اور وہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہیں، یہ ایمان لانا وفاداری کا ایک عہد ہے، جو بندہ اپنے خالق اور مالک کے ساتھ کرتا ہے۔ اس وفاداری کو نبھانے اور اس پر عمل کرنے کے لئے ”عمل صالح“ کی ضرورت ہے، لہذا آدمی ایمان بھی لائے، اور نیک عمل بھی کرے تو پھر وہ بہترین مخلوق ہے۔ کیونکہ اس نے ساری شرطیں پوری کر دیں۔ وفاداری کو بھی پورا کیا اور اس کو خوب نبھایا۔

انسانوں کی تین قسمیں

گویا کہ انسانوں کی تین قسمیں ہو گئیں۔ ایک وہ جو بدترین مخلوق ہیں، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے وفائی کی اور انہوں نے یا تو اللہ تعالیٰ کو معبود ہی نہیں مانا، یا اس کے ساتھ دوسرے معبود مان کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توہین کی، ایسے لوگ بدترین مخلوق ہیں۔ چاہے وہ عمل کیسے بھی کرتے ہوں۔ دوسری قسم وہ ہے جو ایمان بھی لائے اور نیک کام بھی کئے وہ بہترین مخلوق ہے، اور ان کے لئے آخرت میں اللہ تعالیٰ نے جنت تیار کر کے رکھی ہے۔ اور تیسری قسم وہ ہے جو ایمان لائے لیکن عمل صالح نہیں کئے، گویا کہ اس نے وفاداری کا عہد تو کیا اور وفاداری کا اقرار بھی کیا، لیکن اس وفاداری پر اپنی زندگی میں عمل نہ کیا تو ایسے لوگ بہترین مخلوق نہیں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جو برے کام کئے ہیں ان کی بدولت ان کو عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا، اللہ تعالیٰ ہر



جنت اور اس کی صفات

(تفسیر سورۃ بینہ)

4

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی



میمن اسلامک پبلشرز

خَشِيَ رَبَّهُ ۝ (سورہ بینہ، آیت ۷، ۸)
 آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيمُ، وَصَدَقَ
 رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلَى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ
 وَالشّٰكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز، یہ سورۃ بینہ کی آخری آیات ہیں، جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں، اس سورت کی تشریح کا بیان گزشتہ چند جمعوں سے چل رہا ہے، اور ابتدائی آیات کی کچھ مختصر تشریح گزشتہ تین بیانات میں گزر چکی ہے، اس کا خلاصہ یہ تھا کہ حضور اقدس ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری کا مقصد اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں یہ بیان فرمایا کہ آپ ﷺ تمام دنیا کے سامنے ایک روشن دلیل لیکر آجائیں، جب وہ روشن دلیل آگئی تو پھر اس وقت انسانوں کے دو گروہ ہو گئے، ایک گروہ وہ تھا جس نے اس روشن دلیل کو تسلیم کیا، اور ایک گروہ وہ تھا کہ اس پر دلائل واضح ہو جانے کے باوجود نبی کریم ﷺ کی سچائی ثابت ہو جانے کے باوجود اسے ایمان لانے کی توفیق نہ ہوئی، بلکہ وہ اپنے کفر پر، اپنی سرکشی پر، اور اپنی گمراہی پر جما رہا، اس کا ذکر گزشتہ آیات میں تھا جس کا بیان گزشتہ جمعہ میں ہو گیا۔

یہ بہترین لوگ ہیں

دوسری طرف اللہ تعالیٰ اگلی آیات میں ان لوگوں کا بیان فرما رہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

جنت اور اس کی صفات

تفسیر سورۃ البینۃ

4

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلِّهِ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَاشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَاشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتٌ عَدْنٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۙ رَاضِيْنَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَاضُوْنَ عَنْهُ ۚ ذٰلِكَ لِسُنِّ

فرشتوں کا کوئی کمال نہیں

چنانچہ علماء اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ عام ملائکہ جو اس طرح پیدا کئے گئے ہیں کہ ان کے اندر گناہ کرنے کا مادہ ہی نہیں رکھا گیا۔ ان کو نہ بھوک لگتی ہے، نہ پیاس لگتی ہے، اور نہ نفسانی خواہشات ان کے دل میں پیدا ہوتی ہیں، اس لئے اگر وہ گناہ سے بچے رہیں تو اس میں ان کا کوئی خاص کمال نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا ہی اس انداز میں کیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح پیدا کیا کہ فرمایا: **فَالْهَمَّافُجُوْا مَا هَا وَتَقْوَاهَا** (سورہ شمس: ۸) کہ اس کے اندر گناہ کی خواہشات بھی ہیں، اور تقویٰ کی خواہشات بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح پیدا کیا ہے۔

اس کا مقام فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے

اسی کے ذریعہ اس کی آزمائش ہے کہ اس کے اندر مادہ دونوں قسم کا ہے، وہ نیکی بھی کر سکتا ہے، گناہ بھی کر سکتا ہے، وہ اپنی خواہشات کے پیچھے چل کر اپنے کوتاہ بھی کر سکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کر کے اپنے آپ کو کامیاب بھی بنا سکتا ہے، دو قسم کے مادے اس کے اندر موجود ہیں۔ اس کے اندر گناہ کرنے کی خواہش پیدا ہو رہی ہے، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں، اور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں وہ اپنے آپ کو ان خواہشات سے بچاتا ہے، اور گناہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہے تو اس وقت اس کا مقام فرشتوں سے آگے بڑھ جاتا ہے۔

ہیں جنہوں نے اس روشن دلیل کو تسلیم کیا اور تسلیم کر کے اس کے آگے سر تسلیم خم کیا، اور اس کی بیان کردہ ہدایات پر عمل کیا، ان کا ذکر ان آیات میں ہے جو میں نے آپ کے سامنے ابھی تلاوت کیں۔ چنانچہ فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۖ أُولَٰئِكَ هُم خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۖ

یعنی بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے، یہ لوگ ساری مخلوقات میں سب سے بہتر لوگ ہیں، یعنی وہ لوگ جو نبی کریم ﷺ پر اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان بھی لائے، اور ان تعلیمات کے مطابق اپنے اعمال کو درست بھی کیا اور نیک عمل کئے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ وہ ساری مخلوق میں سب سے بہترین لوگ ہیں۔

”بریۃ“ میں تمام مخلوق داخل ہیں

اس آیت میں لفظ ”الْبَرِيَّةِ“ استعمال فرمایا اور یہ لفظ تمام مخلوقات پر بولا جاتا ہے۔ ”بَرِيَّةٌ“ کے معنی ہیں ”مخلوق“، انسان بھی مخلوق ہیں، جنات بھی مخلوق ہیں۔ جانور بھی مخلوق ہیں، جمادات اور نباتات بھی مخلوق ہیں، یہاں تک فرشتے بھی مخلوق ہیں، اور جب ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کے بارے میں یہ فرمایا کہ یہ ساری مخلوق میں سب سے بہتر مخلوق ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ جن کے اندر دو باتیں پائی جائیں۔ ایک ایمان، اور دوسرے نیک عمل، وہ مخلوق ساری کائنات کی تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

بڑا تمغہ ”الحکم الحاکمین“ کی طرف سے دیا جا رہا ہے، جو پوری کائنات کا خالق ہے، وہ فرما رہے ہیں کہ ہم تمہیں ”حَیْذُ الْبَرِیَّةِ“ ہونے کا تمغہ دیتے ہیں، تمام کائنات میں سب سے بہتر مخلوق ہونے کا تمغہ دیتے ہیں، بس دو باتیں ہیں، ان کو تم حاصل کر لو، ایک ایمان، اور ایک عمل صالح، اگر تم نے یہ دو کام کر لئے تو تم سب اس تمغہ کے حقدار ہو اور جب تم آخرت میں پہنچو گے، تب تمہیں اس ”تمغہ“ کی قدر و قیمت معلوم ہوگی۔

اس تمغہ کی قدر آخرت میں ہوگی

آج تمہیں اس دنیاوی زندگی میں اس ”تمغہ“ کی قدر و قیمت کا احساس نہیں ہے، لیکن جب یہ آنکھیں بند ہوں گی، اور تم جب قبر میں پہنچو گے، اور عالم آخرت تمہارے سامنے آئے گا، اس وقت تمہیں پتہ چلے گا کہ اس ”تمغہ“ کی کیا قدر و قیمت ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس ”تمغہ“ کی پوری تفصیلات اور اس کے فوائد کی تفصیل پوری طرح یہاں ہماری سمجھ میں آ ہی نہیں سکتیں، البتہ اگلی آیت میں اس کی طرف تھوڑا سا اشارہ کر دیا ہے کہ اس تمغے کے نتیجے میں تمہیں کیا فائدہ ملے گا۔

ایسے لوگوں کا صلہ جنت کے باغات ہیں

چنانچہ آگے فرمایا:

جَزَاءُ لَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ

خاص ملائکہ انسانوں سے افضل ہیں

اس لئے عام مسلمان جو ایمان اور عمل صالح کی صفت سے آراستہ ہو، وہ عام ملائکہ سے افضل ہے۔ البتہ کچھ خاص ملائکہ ہیں، جیسے حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل، اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو انبیاء کے پاس وحی لانے، اور انبیاء کے ساتھ رابطہ رکھنے کا کام سونپا ہوا ہے، اور انہی کے ذریعہ درحقیقت ہم تک دین کے پیغام پہنچتے ہیں۔ اس لئے علماء اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت جبریل، وغیرہ تو عام مسلمانوں سے افضل ہیں، لیکن انبیاء ان سے افضل ہیں، انبیاء کے مقام ان سے بھی اعلیٰ ہے، اس لئے فرمایا کہ یہ بہترین مخلوق ہیں: **أَوْلَیَّکَ هُمْ حَیْذُ الْبَرِیَّةِ** ۱

سب سے بہترین خطاب اور تمغہ

یہ اللہ تعالیٰ نے کتنا بڑا خطاب دیدیا ہے، اور یہ کس کا دیا ہوا خطاب ہے؟ کسی معمولی بادشاہ کا دیا ہوا خطاب نہیں ہے، کسی ملک کا حکمران کسی کو کوئی تمغہ دیدیتا ہے، مثلاً کسی کو ”تمغہ امتیاز“ دیدیا، یا کسی کو ”ستارہ امتیاز“ دیدیا، وہ ساری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹتا پھرتا ہے کہ دیکھو: مجھے اتنا بڑا اعزاز مل گیا، لیکن یہ انسانوں کے دیئے ہوئے اعزاز محدود علاقے میں ہی انسان کی نیک نامی کر دیتے ہیں، لیکن اس کے بعد اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی، اس سے انسان کو نہ کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے، نہ کوئی اور منفعت وہ اس کے ذریعہ حاصل کر سکتا ہے، لیکن یہ اتنا

چھوٹے ہوں، یا بڑے ہوں، لیکن کچھ عرصہ کے بعد، اور اپنی بھار دکھانے کے بعد وہ فنا ہو جاتے ہیں، اور ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایمان لانے والوں اور عمل کرنے والوں کو جو باغات دئے جائیں گے ان کے بارے میں قرآن کریم کا فرمان ہے کہ:

جَنَّتٍ عَدْنٍ

یعنی وہ ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں، وہ سدا بہار ہیں۔ ان پر کبھی خزاں نہیں آئیگی، وہ کبھی جھاڑ جھکاڑ میں تبدیل نہیں ہونگے، وہ ہر آن، ہر لمحے زندہ، پائندہ اور تابندہ رہیں گے، اور سرسبز اور شاداب رہیں گے۔

جنت کے پھلوں میں ترقی ہوتی رہیگی

بلکہ سورۃ البقرۃ میں ان باغات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ ان باغات میں بھی نوع بنوع ترقی ہوتی رہے گی۔ دنیا کے اندر یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی باغ میں بہت شاندار پھل لگے ہوئے ہیں، بہترین پھول لگے ہوئے ہیں، آپ اس باغ ایک سال دو سال چار سال رہیں گے تو بار بار بار ایک ہی طرح کے پھل اور پھول دیکھ کر نگاہ بھر جائے گی، اور اس کو دیکھنے سے پہلے جو لطف آتا تھا، وہ لطف ختم ہو جائے گا۔ لیکن جنت کے باغات کی یہ صفت ہے کہ ہر آن اس کے اندر ترقی ہوتے رہے گی۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا

یعنی ایسے لوگوں کا صلہ ان کے پروردگار کے پاس ایسے باغات کی شکل میں ہوگا جو ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، ”جَنَّتٍ“ جمع ہے ”جَنَّةٌ“ کی، اور جنت عربی زبان میں باغ کو کہتے ہیں، لیکن قرآن کریم میں جمع کا صیغہ لایا گیا ”جَنَّاتٍ“ یعنی بہت سے باغ۔ اب لفظ ”باغ“ سے ہمارے ذہنوں میں جو تصور آتا ہے، وہ ان باغات کا آتا ہے، جو دنیا کے اندر ہم نے دیکھے ہیں۔ اور ان دنیاوی باغات کا تو یہ حال ہے کہ وہ آج تو سرسبز و شاد ہیں، اور آج دنیا میں ان کی شہرت ہے، لیکن چند سالوں کے بعد جب حالات پلٹ جاتے ہیں تو وہی باغات جھاڑ جھکاڑ میں تبدیل ہو جاتے ہیں، نہ جانے کتنے باغ ان آنکھوں نے ایسے دیکھے ہیں، کہ ایک زمانے میں ان کا حال یہ تھا کہ دنیا بھر سے لوگ ان باغات کو دیکھنے کے لئے آیا کرتے تھے، اور وہ باغات دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتے تھے، آج ان باغات کا یہ حال ہے کہ وہاں پر ببول کے کانٹے دار درخت اگے ہوئے ہیں، جھاڑ جھکاڑ اگے ہوئے ہیں، اور وہ باغات ویران، سنسان اور غیر آباد پڑے ہوئے ہیں۔

ہمیشہ رہنے والے باغات

لاہور کا ”شالامار باغ“ دیکھئے، کسی زمانے میں اس کی کیسی رونق تھی، اور اس کی کیسی شہرت تھی، لیکن اب ویران پڑا ہوا ہے، اور دنیا کے قابل ذکر باغ میں اس کا شمار ہی نہیں۔ بہر حال! دنیا کے جو بھی باغات ہوں، چاہے وہ

أَنْهَرُ مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ أَيْسٍ (سورہ محمد: آیت ۱۵)

یعنی ان دریاؤں کے پانی میں کبھی کوئی تغیر پیدا نہیں ہوگا، اور نہ ان کے اندر کبھی کوئی خرابی آئے گی، وہ ہر آن اور ہر لمحے تروتازہ ہوں گے۔ وہ جنتیں ایمان والوں کو اور عمل صالح والوں کو عطا کی جائیں گی۔

وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے

پھر فرمایا:

خُلْدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا

اس دنیا کے اندر تم کتنا ہی عالیشان مکان بنا لو، کتنی ہی عالیشان جگہ پر رہائش اختیار کر لو، جس کے قریب باغات ہوں، دریا ہوں، پہاڑ ہوں، بہترین منظر ہو، لیکن یہ کھٹکے ہر انسان کو لگا رہتا ہے کہ چند دن کے بعد یہ مکان چھوڑنا ہی پڑے گا، جوانی میں زندگی کے بڑے مزے لے رہے تھے، جب بڑھاپا آیا تو وہ مزے ختم ہو گئے اور ہر وقت یہ خیال لگا ہوا ہے کہ کسی دن یہ سب چھوڑ کر جانا ہوگا۔ لیکن جنت میں اس قسم کا کوئی اندیشہ نہیں ہوگا، اس لئے فرمایا:

”خُلْدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا“ یعنی ان باغات میں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور ان کو وہاں پر موت نہیں آئے گی۔ وہ زندگی بغیر کسی وقفے کے مسلسل قائم رہے گی۔ ”خُلْدِيْنَ فِيْهَا“ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، لیکن اس کے ساتھ آگے یہ تاکید لگا دی ”اَبَدًا“، یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس میں رہیں گے، نہ اس میں انسان بوڑھا ہوگا، نہ کوئی بیماری آئے گی، نہ کوئی

كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ شَرْذٍ رَّزَقًا قَالُوا هَذَا

الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ (سورۃ البقرۃ: ۲۵)

کہ جب جنت والوں کو پھل دئے جائیں گے تو وہ ان دیکھ کر یہ کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا تھا، یعنی دیکھنے میں وہ ایک جیسا لگے گا، لیکن حقیقت کے اعتبار سے اور اپنے ذائقے کے اعتبار سے، اپنی لذت اور حلاوت کے اعتبار سے وہ پہلے سے کہیں زیادہ بہتر ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنت کی نعمتیں اور لذتیں ایک حالت پر قائم نہیں رہیں گی، جس سے آدمی کا دل بھر جائے، بلکہ ان نعمتوں کے اندر ترقی ہوتی رہے گی۔ اور وہ ”جنت عدن“ ہیں، یعنی ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں، کبھی ان پر خزاں نہیں آئے گی۔ وہ کبھی مرجھائیں گے نہیں۔

باغات کے نیچے نہریں ہوں گی

پھر آگے فرمایا:

تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ

یعنی ان باغات کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، آپ اندازہ کریں کہ ایک باغ ہے جو سرسبز و شاداب ہے، خوبصورت ہے، پھل پھول لگے ہوئے ہیں، اور وہ ایسی جگہ ہے کہ اس کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں اور وہ دنیا کے دریاؤں کی طرح نہیں ہوں گے، جن میں کوڑا کباڑ بھی بہتا رہتا ہے، بلکہ وہ جنت کے دریا ہوں گے، جن کے پانی کے اوصاف یہ ہیں کہ:

یہ انعام خشیت والے کو ملے گا

بہر حال! ”حَیْزُ الْبَرِیَّةِ“ کا جو تمنغہ دیا گیا تھا، اس کے انعامات یہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمائے ہیں۔ لیکن آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایک جملہ فرما دیا جو درحقیقت ہم سب کی توجہ کا طالب ہے، اور جو درحقیقت جنت کے انعامات کی کنجی ہے، یعنی اگر ایمان اور عمل صالح والی صفات کو اگر حاصل کرنا ہے تو اس کا راستہ ہے

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ

یعنی یہ انعامات اس شخص کو ملیں گے جس کے دل میں اپنے پروردگار کی خشیت ہوگی، اور پروردگار کے سامنے پیش ہونے کا احساس ہوگا کہ مجھے ایک دن اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونا ہے، اور جب یہ بات دل میں ہوگی، تو یہی بات انسان کو عمل صالح پر آمادہ کرتی ہے، اور یہی درحقیقت جنت کی کنجی ہے۔ بہر حال! یہ ان آیات کا خلاصہ ہے، اب چونکہ وقت ختم ہو چکا ہے، اس لئے اس کی مزید تفصیل اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو آئندہ بیانات میں جنتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو بات ارشاد فرمائی ہے اور آخر میں جنت کی جو کنجی بیان فرمائی ہے، اس کے بارے میں اور اس کو حاصل کرنے کے طریقے کے بارے میں انشاء اللہ کچھ عرض کروں گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو جنت والے اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

پریشانی لاحق ہوگی اور نہ وہاں سے نکالے جانے کا کوئی اندیشہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا

آگے فرمایا:

رَاضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَاضُوا عَنْهُ

اور سب سے بڑھ کر جو انعام دیا جائے گا ایسا انعام جس کی گہرائی اور وسعت کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے، وہ یہ ہے کہ ”رَاضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَاضُوا عَنْهُ“، یعنی جب بندے جنت میں چلے جائیں گے تو اس وقت یہ صورت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا، اور اس بات کا کبھی کوئی احتمال نہیں کہ کسی وقت اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے۔ اور یہ اہل جنت اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ اس سے بڑھ کر نعمت اور کیا ہو سکتی ہے۔ اگر کسی شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے تو اس کے دل میں ہر وقت یہ کھٹک رہتا ہے کہ میرا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب نہ بن جائے، فرمایا کہ وہاں جنت میں یہ کھٹکا دور ہو جائے گا، اور اللہ تعالیٰ یہ اعلان عام فرمادیں گے کہ جتنے جنتی ہیں، ان سب سے اللہ تعالیٰ راضی ہیں، اور کبھی ان سے ناراض نہیں ہوگا، کبھی تمہاری کسی بات کو اللہ تعالیٰ اپنی ناراضگی کا سبب قرار نہیں دے گا۔ اور سارے بندے اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جائیں گے کہ اے اللہ! آپ نے جو کچھ ہمیں دیا ہے، وہ اتنا عظیم ہے کہ اس میں ہماری ناگواری کا کوئی احتمال ہی نہیں۔



اور (ملے نبی) جو سے میرے بنے میرے حق دریافت کریں تا دیکھیں ان سے قریب ہیں اور مجھے پکارتے ہیں پھر سنا ہوں ان کا

جنت حاصل کرنے کیلئے خشیت اختیار کرو

(تفسیر سورۃ بینہ)

5

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی



میمن اسلامک پبلشرز

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جنت حاصل کرنے کیلئے خشیت اختیار کرو

تفسیر سورۃ البینۃ

5

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ. وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا. مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلِّهِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ. وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ. وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسِنْدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ. صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ *

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ *

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۖ جَزَاءُؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

أَبَدًا ۖ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ۝ (سورہ بینہ، آیت ۷ تا ۸)

آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيمَ، وَصَدَقَ رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ، وَنَحْنُ عَلَى ذَٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ وَالشَّاكِرِينَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز، یہ سورۃ بینہ کی آخری آیتیں ہیں جن کا بیان کچھ عرصہ سے چل رہا ہے۔ ان آیتوں میں اللہ تبارک نے یہ فرمایا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت کے وہ باغات تیار کر کے رکھے ہوئے ہیں۔ جن کے نیچے سے دریا اور نہریں بہتی ہوں گی، اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، دنیا میں آدمی کتنی بھی اچھی جگہ پر رہائش اختیار کر لے، اور اسے دنیا کی کوئی بھی نعمت میسر آ جائے، لیکن اس کو یہ کھٹکا ہر وقت لگا رہتا ہے کہ میرے لئے یہ مستقل رہائش گاہ نہیں ہے، مجھے کبھی نہ کبھی اس جگہ سے جانا ہوگا، اور اس بات کا بھی اندیشہ رہتا ہے کہ جو نعمتیں ملی ہوئی ہیں، وہ کسی وقت بھی چھن جائیں گی۔

دنیا میں ہر وقت موت کا کھٹکا موجود ہے

لیکن جنت کی زندگی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا“ کہ وہ اس جنت میں ہمیشہ زندہ رہیں گے، موت نہیں آئے گی،

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ
وَوَقَّعَهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾ (سورة الدخان: آیت ۵۶)

یعنی جنت میں وہ لوگ موت کا مزہ نہیں چکھیں گے مگر اس پہلی موت کا
(جو دنیا میں آچکی) اور اللہ تعالیٰ ان کو جہنم کے عذاب سے بچالیں گے۔ بہر حال!
اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت بیان فرمائی کہ اس جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

سب سے عظیم نعمت

پھر فرمایا: ”رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ“ کہ وہاں جنت
میں اہل جنت کی یہ حالت ہوگی کہ اللہ ان سے راضی ہوگا، اور وہ اللہ سے راضی
ہوں گے۔ اس دنیا میں ایک مسلمان کے لئے سب سے بڑا اندیشہ یہ ہوتا
ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض نہ ہو جائیں، اگر کسی کے دل میں اللہ تبارک و
تعالیٰ پر ایمان ہے، تو اس کو ہر وقت یہ خوف دامن گیر رہتا ہے کہ میرے کسی عمل
سے کہیں اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائیں، وہاں یہ اندیشہ ختم ہو جائے گا، اور اللہ
تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان ہو جائے گا کہ ہم تم سے ہمیشہ کے لئے راضی ہو گئے،
اب کبھی ہم تم سے ناراض نہیں ہوں گے۔

اہل جنت اللہ سے راضی

”وَرَضُوا عَنْهُ“ اور اہل جنت اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جائیں گے۔
اہل جنت کے راضی ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اب ان کو بد قسمتی کا اور تقدیر کا
کوئی اندیشہ نہیں ہوگا کہ اب ہماری مقدر میں کوئی غم آجائے گا، کوئی تکلیف آئے

یہاں تو ہر انسان، چاہے وہ مسلمان ہو، یا غیر مسلم ہو۔ اس کو اس بات کا یقین ہے
کہ میں ایک نہ ایک دن اس دنیا سے ضرور جاؤں گا، کتنے دن مجھے دنیا میں رہنا
ہے، یہ بھی معلوم نہیں، یہ بھی پتہ نہیں کہ کتنی زندگی ملے گی، ہر وقت موت کا کھٹکا
موجود ہے، موت کے اسباب موجود ہیں، لیکن جنت کی زندگی میں اللہ تبارک و
تعالیٰ نے یہ عظیم نعمت عطا فرمائی ہے کہ جب وہ نعمت ملے گی تو اس نعمت کے چھٹنے
کا کوئی اندیشہ نہیں ہوگا، وہ ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔

جنت میں موت نہیں آئیگی

اور اللہ تعالیٰ اس بات کو بیان کرنے کے لئے دو لفظ لائے، ایک لفظ
”خَالِدِينَ“ یعنی ہمیشہ رہنے والے، دوسرے ”أَبَدًا“ جس کے معنی بھی یہ
ہیں کہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے، یعنی کبھی ان کو موت نہیں آئے گی۔ چنانچہ
ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اہل جنت جنت میں چلے جائیں گے، اور
اہل جہنم جہنم میں چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ موت کو ایک دنبے کی شکل میں سب
کے سامنے لائیں گے، اور اس دنبے کو ذبح کر دیں گے، اور یہ اعلان فرمائیں گے
کہ ”آج موت کو موت آگئی“، یعنی اب کسی کو موت نہیں آئے گی، نہ اہل جنت کو
موت آئے گی، اور نہ اہل جہنم کو موت آئے گی۔ اس لئے کہ موت کا معاملہ صرف
دنیا کے اندر تھا، یہاں موت نہیں، چنانچہ اہل جنت یہ اعلان سن کر انتہائی خوشی کا
اظہار کریں گے۔ چنانچہ قرآن کریم میں دوسری جگہ پر ان الفاظ میں اس کا ذکر
فرمایا:

رکھی ہیں، لیکن میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں دنیا میں جس طرح کھیتی کیا کرتا تھا اور جس طرح کھیت لگایا کرتا تھا، اس سے کھیتی پیدا ہوتی تھی، میرا دل چاہتا ہے کہ اسی طرح میں یہاں پر بھی کروں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے آدم کے بیٹے! تیرا پیٹ کوئی چیز نہیں بھر سکتی، ہر وقت تیرے دل میں کچھ نہ کچھ خواہش پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اگر تیری یہ خواہش ہے تو یہ بیج لے، اور زمین کے اندر ڈال، اور اس سے کھیتی ہو جائے گی۔ چنانچہ جب وہ بیج زمین میں ڈالے گا تو بیج ڈالتے ہی وہ کھیتی خود بخود اسی وقت اگنی شروع ہو جائے گی، یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں بڑی ہو جائے گی، اور پک جائے گی۔ اس کے بعد اس کی کٹائی کر کے وہ ساری پیداوار اس کے سامنے ڈال دی جائے گی۔ ایک لمحہ کے اندر یہ سارے کام ہو جائیں گے، اگر اس قسم کی خواہش بھی دل میں پیدا ہوئی، جو بظاہر بیکار خواہش ہے کیونکہ وہاں تو اللہ تعالیٰ نے ساری نعمتیں دے رکھی ہیں، لیکن چونکہ یہ اعلان کیا ہوا ہے کہ جو چاہو گے وہ نعمت تمہیں مل جائے گی، بلکہ فرمایا: ”وَلَهُمْ مَّا يَدْعُونَ“ (یس: ۷۵) کہ جو تم طلب کرو گے وہ وہاں پر ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کے کارندے ان کی خدمت میں لگے ہوئے ہونگے، اگر اہل جنت یہ خواہش ظاہر کریں گے کہ ہمیں فلاں چیز چاہئے تو وہ کارندے فوراً وہ چیز لے آئیں گے، اس کے باوجود یہ خواہش پیدا ہو رہی ہے کہ میں کھیتی باڑی کروں تو اللہ تعالیٰ وہ خواہش بھی پوری فرمادیں گے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خواہش رد نہیں کی جائے گی۔

گی اس بات کا کوئی اندیشہ باقی نہیں رہے گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی، یہ ایسی نعمت ہے جس کا تصور ہم یہاں دنیا میں نہیں کر سکتے، کہ ناراض ہونے کا اندیشہ ہی ختم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی، ہم اللہ تعالیٰ سے راضی۔

وہاں ہر خواہش پوری ہوگی

حضور اقدس ﷺ نے جو دعائیں تلقین فرمائی ہیں، ان میں سے ایک دعا یہ ہے کہ ”اَللّٰهُمَّ ارْضِنَا وَاَرْضْ عَنَّا“ اے اللہ! آپ ہمیں راضی کر دیجئے، اور آپ ہم سے راضی ہو جائیے۔ بہترین زندگی جس کے برابر کوئی اور زندگی نہیں ہو سکتی، وہ جنت کی زندگی ہے، اس لئے وہاں جو خواہش انسان کے دل میں پیدا ہوگی، اللہ تعالیٰ اس کو فوراً پورا فرمادیں گے، اگر کسی چیز کے کھانے کی خواہش ہوگی تو وہ اللہ تعالیٰ پوری فرمادیں گے، اگر کسی چیز کے پینے کی خواہش ہوگی تو وہ پوری ہوگی۔ کسی نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش ہوگی تو وہ پوری ہوگی۔

جنت میں کھیتی باڑی

یہاں تک اگر کوئی شخص یہ کہے گا کہ یہاں جنت میں میرا کھیتی باڑی کرنے کو دل چاہ رہا ہے، کہ میں یہاں کھیتی لگاؤں، اور اس سے غلہ نکلے، تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ تمہیں یہاں کھیتی باڑی کی کیا ضرورت ہے؟ ساری نعمتیں تو تمہیں ویسے ہی ملی ہوئی ہیں، وہ بندہ کہے گا کہ یا اللہ! آپ نے سب نعمتیں دے

۱۰۴

وجہ سے، اور اس کی بڑائی کی وجہ سے ہو، وہ ہے ”خشیت“ مثلاً کوئی شخص اپنے باپ سے ڈرے، تو باپ سے ڈر اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ باپ میری پٹائی کر دے گا، بعض اوقات باپ بڑا مشفق ہوتا ہے۔ اپنی اولاد کو نہ مارتا ہے، نہ ہی سزا دیتا ہے۔ لیکن دل میں یہ خوف اور ڈر ہوتا کہ یہ میرا مشفق باپ ہے۔ مجھ پر اس کی اتنی زیادہ شفقتیں اور احسانات ہیں، اب اگر میں کوئی ایسا کام کروں گا جو اس کی مرضی کے خلاف ہوگا تو میرے لئے یہ کوئی اچھی بات نہیں، یہ ہے ”خشیت“ لہذا دوسرے شخص کی عظمت کی وجہ سے جو ڈر ہوتا ہے۔ اس کو عربی زبان میں ”خشیت“ کہتے ہیں۔

خشیت میں اللہ کی عظمت کا احساس

لہذا اللہ تعالیٰ کی ”خشیت“ جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ جل شانہ کی عظمت کا احساس کر کے کہ یہ وہ ذات ہے جس نے مجھے پیدا کیا، یہ وہ ذات ہے جس نے مجھے پالا پوسا، یہ وہ ذات جو مجھے رزق فراہم کرتی ہے۔ یہ وہ ذات جس نے مجھ پر انعامات کی بارش برسائی ہوئی ہے، میں اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کروں، اس کا نام ہے ”خشیت“ اس میں یہ بھی ڈر داخل ہے کہ اگر میں اس کی مرضی کے خلاف کام کروں گا تو وہ سزا بھی دے سکتا ہے، اور سزا بھی کسی انسان کی دی ہوئی سزا نہیں، بلکہ جہنم کی سزا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے (آمین) اور اس میں یہ بات داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے اتنی نعمتوں میں پالا ہے۔ تو اب

۱۰۳

”خشیت“ کیلئے کوئی لفظ نہیں

جنت کی یہ ساری نعمتیں بیان فرما کر آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایک جملہ ارشاد فرمایا:

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝۸

یعنی یہ نعمتیں، یہ جنت، یہ لافانی لازوال انعامات اس شخص کو ملیں گے جس کے دل میں اپنے پروردگار کی خشیت ہوگی، یعنی باری تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے کا احساس ہوگا، یہ ”خشیت“ عربی زبان کا لفظ ہے، اور ہماری اردو زبان عربی زبان کی طرح وسیع نہیں ہے، اس لئے اردو زبان میں جب ہم ”خشیت“ کا ترجمہ کرتے ہیں تو یوں کرتے ہیں کہ ”جس کے دل اللہ جل شانہ کا ڈر ہو۔ لیکن اردو زبان چونکہ تنگ دامن ہے، اس لئے اس میں ہر قسم کے ”ڈر“ کو ڈر ہی کہتے ہیں، کسی درندے کا ڈر ہے، تو وہ ڈر ہے، اگر کسی چور یا ڈاکو کا ڈر ہے تو وہ ڈر ہے، اگر کسی بادشاہ کا ڈر ہے تو وہ ڈر ہے، اگر اپنے باپ کا ڈر ہے، یا استاد کا ڈر ہے، یا شیخ کا ڈر ہے۔ وہ بھی ڈر ہے، ہر ڈر کے لئے ڈر کا لفظ ہی استعمال ہوتا ہے۔

عظمت کی وجہ سے ڈر ہو تو وہ ”خشیت“ ہے

لیکن عربی زبان بڑی وسیع زبان ہے، اس میں ”ڈر“ کی ہر قسم کا علیحدہ نام ہے، ایک ڈر وہ ہے، جو سانپ بچھو سے ہو، یا درندے کا ڈر ہو، موذی جانوروں سے ہو، یا چور ڈاکو سے ہو، جن بھوت کا ڈر ہو، اس کو عربی زبان میں خشیت نہیں کہتے، بلکہ ”خشیت“ اس ڈر کو کہتے ہیں جو کسی ذات کی عظمت کی

۱۰۶

تعلیم حاصل کرنے میں، یا اپنے کھیل کود میں مگن ہے، اس کو سوائے دنیاوی مصروفیات کے کسی اور چیز کا خیال تک نہیں آتا، یہ غفلت کی زندگی ہے، بس ہر وقت اس فکر میں ہے کہ مجھے زیادہ سے زیادہ لذت حاصل ہو جائے، زیادہ سے زیادہ مزہ آجائے، یاد رکھئے! یہ غفلت کی زندگی ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

احساس کے ساتھ زندگی گزارو

ایک زندگی وہ ہے جس میں انسان کو یہ احساس ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہوں، اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انعامات کی بارش نازل کی ہوئی ہے، اور مجھے ان انعامات کا حق اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ذریعہ ادا کرنا چاہیئے، میں کماؤں تو حلال کماؤں، میں باتیں کروں تو حلال باتیں کروں، میں کھاؤں تو حلال کھاؤں، میں لوگوں سے ملوں تو حلال طریقے سے ملوں۔ میرا کوئی عمل ایسا نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو، اس کا نام ہے ”خشیت“ اور اسی کو ”تقویٰ“ بھی کہتے ہیں۔

ذمہ داری کا احساس پیدا کرو

ہماری صبح سے لے کر شام تک کی جو زندگی گزر رہی ہے، وہ غفلت میں گزر رہی ہے۔ اس غفلت سے اللہ تعالیٰ ہمیں ہوشیار کرنا چاہتے ہیں کہ اس غفلت کی زندگی کو چھوڑو، اور اپنے اندر ذمہ داری کا احساس پیدا کرو، تم اس دنیا میں خدا

۱۰۵

میں اس کی ان نعمتوں کی ناشکری نہ کروں، بلکہ اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزاروں۔

جنت کی نعمتیں خشیت والے کیلئے ہیں

بہر حال! فرمایا کہ جنت کی جتنی بھی نعمتیں ہیں، جن کا ابھی ذکر ہوا، یہ نعمتیں ان کے لئے ہیں، جن کے دل میں اپنے پروردگار کی خشیت ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس کرتے ہوئے وہ اس بات سے ڈرتا رہے کہ میرا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہ ہو جائے۔ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے راستہ بتا دیا کہ یہ جو فرمایا تھا کہ جو لوگ ایمان لائیں، اور نیک عمل کریں، تو نیک عمل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ یہ احساس دل میں پیدا کر لو، کہ مجھے ایک دن اپنے پروردگار کے پاس جانا ہے، اور اس نے مجھے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے، اس لئے مجھے اس کی ناشکری نہیں کرنی چاہئے، اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہئے اور جن کے دلوں میں یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل و کرم سے گناہوں سے بچا کر جنت کے راستے پر ڈال دیتے ہیں۔

غفلت کی زندگی سے بچو

اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو یہ ہدایت عطا فرمادی (اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین) دیکھیئے: کہ ایک ہوتی ہے غفلت کی زندگی، کہ آدمی صبح سے لے کر شام تک اپنے کاروبار میں، یا اپنی

راستہ کھل گیا۔ اللہ تعالیٰ یہ احساس ہم سب کے دلوں میں پیدا فرمادے، آمین۔

احساس پیدا کرنے کا طریقہ

اس ”احساس“ کو پیدا کرنے کے لئے اور اس کو بیدار کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ جن کے دلوں میں یہ احساس موجود ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ”خشیت“ کی نعمت سے نوازا ہے۔ آدمی ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرے، جو لوگ اللہ تعالیٰ سے غافل ہیں، جنت اور جہنم سے غافل ہیں، ان کی صحبت سے بچے، ایک راستہ تو یہ ہے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ”خشیت“ رکھنے والے لوگ دنیا سے گزر چکے ہیں، جیسے انبیاءؑ، صحابہ کرامؓ، صدیقینؓ، شہداء بزرگانِ دین۔ ان سب کے واقعات پڑھے، ان کی باتیں اور ان کے ملفوظات پڑھے، تو اس کے نتیجے میں یہ ”احساس“ جاگتا ہے، یہ احساس زندہ رہتا ہے۔ انسان کی ہر ہر قدم پر یہ احساس رہنمائی کرتا ہے۔ بہر حال! جب یہ دو کام کر لے گا کہ تو یہ ”احساس“ رفتہ رفتہ اس کے دل میں بھی پیدا ہو جاتا ہے، اور یہ ”خشیت“ آ جاتی ہے، اور جب یہ خشیت آگئی تو سمجھو کہ جنت کا دروازہ کھل گیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین ○



بن کر نہیں آئے۔ بلکہ اللہ کے بندے بن کر آئے ہو، اور اللہ کی بندگی کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر ہر قول و فعل کے وقت میں ہر کام کے وقت میں تمہارے دماغ میں یہ احساس ہونا چاہئے کہ میں جو یہ کام کرنے جا رہا ہوں یہ کام اللہ تعالیٰ کو راضی کرے گا، یا ناراض کریگا؟ یہ عمل جنت میں لے جانے والا ہے، یا دوزخ میں لے جانے والا ہے، اس بات کا احساس دل میں پیدا کرلو۔ اور جب کسی بندے کے دل میں یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو جنت ہی کا راستہ دکھاتے ہیں۔

میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں

گریہ ”احساس“ نہ ہو، بلکہ غفلت کے عالم میں انسان زندگی گزار رہا ہو، تو (اللہ بچائے)۔ پھر دلوں پر مہر لگ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے، آمین۔ ہدایت کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر یہ احساس دل میں جاگ رہا ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ کی بندگی میں زندگی گزارنی ہے، مجھے اس کے حکم کے مطابق زندگی گزارنی ہے، مجھے گناہ نہیں کرنا، مجھے اللہ کی معصیت اور گناہ نہیں کرنا، نافرمانی نہیں کرنی۔ میری زبان سے نکلنے والا لفظ ”جھوٹ“ نہ ہو، میری زبان سے نکلنے والا کوئی لفظ ”غیبت“ نہ ہو، میری زبان سے نکلنے والے لفظ سے کسی کی دل آزادی نہیں ہونی چاہئے، اور میرے اعضاء اور جوارح سے جو حرکتیں صادر ہو رہی ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہ ہونی چاہئیں۔ یہ احساس جس دن پیدا ہو گیا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جنت کا



سورۃ اخلاص، خط ثلث، حافظ یوسف سدید

شب قدر کی فضیلت

(تفسیر سورۃ القدر)

1

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی



میمن اسلامک پبلشرز

أَمْرٌ سَلَّمَ شَيْءٌ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

(سورة القدر)

أَمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيمُ، وَصَدَقَ
رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ، وَنَحْنُ عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ
وَالشَّاكِرِينَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

تمہید

یہ سورۃ القدر ہے جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، کچھ عرصہ
سے پارہ عم کی سورتوں کی تشریح کا بیان چل رہا ہے، اور پیش نظریہ ہے کہ پارہ عم
کی سورتیں اکثر و بیشتر وہ ہیں جو نمازوں میں عموماً تلاوت کی جاتی ہیں، اگر ان کا
مطلب اور مضمون ذہن میں ہو تو نماز کے اندر بھی زیادہ معنویت پیدا ہو جاتی
ہے، اور یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جس کی تشریح و تفسیر کو سمجھنا ہر
مسلمان کا ایک اہم فریضہ ہے، الحمد للہ سورۃ بیسنۃ کی تفسیر مکمل ہو چکی ہے، اور
آج سورۃ قدر میں نے تلاوت کی۔

تسلسل کیلئے لیلۃ القدر کا ذکر

اگرچہ اس سورۃ کا تعلق لیلۃ القدر سے ہے، جو رمضان المبارک میں آتی
ہے، لیکن چونکہ تسلسل کے ساتھ سورتوں کا بیان چل رہا ہے، اس لئے اس کی تفسیر
بھی اختصار کے ساتھ گوش گزار کر لینا مناسب معلوم ہوتا ہے، اور یوں بھی
سورۃ میں ہمارے لئے بہت سے سبق بھی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شب قدر کی فضیلت

تفسیر سورۃ القدر

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ
سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
يُضِلِّهِ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسَدَنَّا وَنَبِيَّنَا
وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ
وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ
الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝
تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ

ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی عمر ایک ہزار سال ہوئی اور انہوں نے اس لمبی عمر میں خوب عبادتیں کیں۔ جب یہ واقعہ حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے بیان فرمایا تو بعض صحابہ کرام نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جب ان کی عمریں زیادہ تھیں تو زیادہ عمر ہونے کی وجہ سے انہوں نے عبادتیں بھی بہت زیادہ کیں، پھر ہم تو کبھی بھی ان کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتے، کیونکہ ہماری عمریں چھوٹی ہوتی ہیں، کسی کی ساٹھ سال، کسی کی ستر سال، کسی کی اسی سال، شاذ و نادر ہی کوئی نوے اور سو سال تک پہنچتا ہے، لیکن اوسط عمر ساٹھ ستر کے درمیان ہوتی ہے۔ جب یہ بات بعض صحابہ کرام نے حضور اقدس ﷺ سے ذکر کیا تو آپ کے دل پر بھی اس کا اثر ہوا کہ میری امت کے لوگ پچھلی امتوں کے عابد اور زاہد لوگوں کے مرتبہ تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟

وہ رات ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی، اور اس سورت میں فرمایا کہ اگرچہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عمریں مختصر ہیں، لیکن ہم نے تمہیں ہر سال میں ایک رات ایسی دیدی ہے کہ وہ ایک رات ایک ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے، یعنی آدمی ایک ہزار مہینوں تک عبادت کرے، یا ایک رات میں عبادت کرے، تو اس ایک رات کی عبادت ایک ہزار مہینوں سے بڑھ جاتی ہیں، لہذا اگرچہ تمہاری عمریں چھوٹی ہیں، لیکن اگر تم اس رات سے فائدہ اٹھاؤ گے

اس سورت کا شانِ نزول

اس سورۃ کے نزول کا سبب، جسے ”شانِ نزول“ کہا جاتا ہے وہ یہ کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے بعض پچھلی امتوں کا ذکر کیا، اور ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی عمریں بڑی لمبی لمبی ہوتی تھیں، اور ان میں ایک صاحب کا ذکر کیا جن کی عمر ایک ہزار سال ہوئی اور اس ایک ہزار سال میں انہوں نے بڑی عبادتیں کیں، وہ دن میں روزے رکھتے تھے، رات کو تہجد پڑھتے تھے، انہوں نے جہاد میں بھی حصہ لیا، اور اس طرح انہوں نے ایک ہزار سال کی عمر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاری۔ پچھلی بعض امتیں ایسی گزری ہیں، جن کی عمریں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت بڑی لمبی کی تھیں، خود حضرت نوح کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا ط

(العنکبوت: ۱۴)

یعنی حضرت نوح ؑ اپنی قوم کے درمیان ایک ہزار سال زندہ رہے، جس میں پچاس سال کم تھے، یعنی ساڑھے نو سو سال انہوں نے اپنی امت میں تبلیغ فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض امتوں کی عمریں بہت لمبی ہوئی ہیں۔

ہم ان کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتے

حضور اقدس ﷺ نے انہی میں سے ایک امت کے ایک صاحب کا

”لوح محفوظ“، قرآن کریم کی ایک اصطلاح ہے، جس کے لفظی معنی ہیں کہ ایسی تختی جو حفاظت سے رکھی ہوئی ہے، اس لوح محفوظ کی حقیقت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔

لیلیۃ القدر میں پہلا نزول فرمایا

بہر حال! قرآن کریم لوح محفوظ میں ازل سے موجود تھا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ پر اس کو نازل فرمائیں تو اس کا پہلا مرحلہ یہ تھا کہ لوح محفوظ سے اس کو آسمان دنیا یعنی پہلے آسمان کی طرف ایک ساتھ نازل کیا گیا۔ تاکہ آسمان دنیا سے پھر حضرت جبریل u وقتاً فوقتاً یہ آیات لے کر آیا کریں۔ تو اس آیت میں اس پہلے مرحلے کے نزول کا ذکر ہے کہ ہم نے اس قرآن کریم کو لیلیۃ القدر میں نازل کیا۔ یعنی لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف نازل کرنے کے لئے ہم نے اس رات کا انتخاب فرمایا۔

عظیم کلام کیلئے عظیم رات

چونکہ قرآن کریم اللہ جل شانہ کا کلام ہے، اس کی عظیم صفت ہے، اور یہ ازلی اور ابدی ہے، اور قیامت تک کے انسانوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی کا سبب ہے، اس لئے اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا عظیم عمل جس رات کیا گیا، وہ رات کتنی عظیم ہوگی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے لیلیۃ القدر کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ ہم نے اس قرآن کریم کو لیلیۃ القدر میں نازل کیا۔

تو پھر تمہیں یہ خیال نہیں ہوگا کہ ہم ان لوگوں کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتے، بہر حال! یہ شان نزول ہے، جس کی وجہ سے یہ سورت نازل ہوئی۔

قرآن کریم کے نزول کیلئے اس رات کا انتخاب

اس سورت کا ترجمہ یہ ہے کہ فرمایا کہ:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝

سب سے پہلے یہ بات بیان فرمائی کہ ہم نے یہ قرآن کریم لیلیۃ القدر میں اتارا ہے، یعنی اس رات کا بیان کرنے سے پہلے اس رات کی عظمت اور اس کے رتبہ کا بیان فرمایا کہ وہ رات اتنی عظیم الشان تھی کہ ہم نے اپنا مقدس کلام اپنے آخری پیغمبر جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کرنے کے لئے ہم نے اس رات کو منتخب فرمایا۔

قرآن کریم لوح محفوظ میں

یہ تو آپ حضرات نے سنا ہوگا کہ یوں تو قرآن کریم حضور اقدس ﷺ پر تیسریس سال کی مدت میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا، کبھی ایک آیت اور کبھی دو چار آیتیں خاص خاص مواقع پر حضرت جبریل u لے کر آتے رہے۔ اور اس طرح ۲۳ سال میں اس قرآن کریم کا نزول مکمل ہوا، لیکن جس نزول کا ذکر اس آیت میں ہے کہ ہم نے اس قرآن کریم کو لیلیۃ القدر میں اتارا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں ازل سے محفوظ رکھا ہوا تھا۔

یہ رات سلامتی ہی سلامتی ہے، یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جائے، یعنی ساری رات اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی نازل ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جائے۔ یہ اس سورت کا ترجمہ ہے۔

قدر کے معنی

اس سورت میں دو تین باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ اس رات کا نام ”لیلۃ القدر“ رکھا گیا ہے، اس کے کیا معنی ہیں؟ ”قدر“ کے کئی معنی آتے ہیں۔ قدر کے ایک معنی ہیں ”رتبہ“ اور درجہ اور منصب، جیسے کہتے ہیں کہ یہ بہت قابل قدر ہے، یا یہ کہ اس کا رتبہ بڑا ہے۔ یعنی اس کی قدر بہت زیادہ ہے، لہذا لیلۃ القدر کے معنی ہوئے رتبے والی رات، یعنی جو لوگ اس رات میں عبادت کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں، ان کا رتبہ، ان کا درجہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا عظیم ہوتا ہے، ”قدر“ کے دوسرے معنی ہیں ”عظمت“، یعنی عظمت والی رات، جس کی برکات بہت عظیم ہیں۔ پھر آگے فرمایا:

لیلۃ القدر آخری عشرے کی طاق راتوں میں

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝

یعنی اس ایک رات میں عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے، اور یہ تو آپ نے سنا ہوگا کہ ”لیلۃ القدر“ رمضان المبارک کے مہینے میں ہوتی

تمہیں کیا معلوم لیلۃ القدر کیا ہے؟

پھر آگے فرمایا:

وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝

تمہیں کیا معلوم کہ لیلۃ القدر کیا چیز ہے! یعنی اس کی عظمت، اس کی صفات، اس کی برکات، اس کے انوار تمہیں کیا معلوم، ایک انسان کو کیا پتہ لگ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رات میں کیا انوار و برکات رکھی ہیں۔

لیلۃ القدر میں فرشتوں کا نزول

پھر فرمایا:

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝

لیلۃ القدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اور پھر اس رات کا تھوڑا سا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا:

تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ ۝

یعنی اس رات میں ملائکہ اور روح، بظاہر روح سے مراد ”روح القدس“ ہے، اور یہ درحقیقت حضرت جبریل u کا لقب ہے، یعنی اس رات میں سارے ملائکہ اور ملائکہ کے سب سے افضل فرد یعنی حضرت جبریل u اپنے پروردگار کے حکم سے ہر چیز کا حکم لے کر اترتے ہیں۔

سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

آتا ہے۔ تو بعض حضرات سے اس رات کے ۲۷ ویں شب میں ہونے کے یہ طیفے نکالے ہیں۔ لیکن یہ محض لطائف ہیں۔ ان کو کوئی دلیل نہیں قرار دیا جاسکتا، لیکن یہ بات صحیح ہے کہ روایات کی رو سے ۲۷ ویں شب میں ہونے کا احتمال بہت زیادہ ہے، اور اس کی توجیہ علماء نے یہ کی ہے کہ اکثر و بیشتر یہ رات ۲۷ ویں شب میں ہوتی ہے، اور کبھی کبھی دوسری راتوں میں بھی ہو جاتی ہے۔

پہلے بتا دیا گیا پھر بھلا دیا گیا

اللہ تعالیٰ نے اس رات کو پوشیدہ اس لئے رکھا تا کہ لوگ اس کی تلاش اور جستجو میں صرف ایک رات پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں۔ بلکہ ان مختلف پانچ راتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں، اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اس کو پوشیدہ رکھا ہے، اور حقیقت حال تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ یہ کس رات میں ہوتی ہے، اور اس رات کو راز میں تو رکھنا ہی تھا، لیکن اس رات کو راز میں رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے عجیب طریقہ اختیار فرمایا، وہ یہ کہ پہلے تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو متعین طور پر بتا دیا کہ فلاں رات ”لیلۃ القدر“ ہے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ مجھے وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس رات کی تعیین بتا دی تھی، اور میں صحابہ کرام [کو بتانے کے لئے باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں، اور میرا ذہن اس جھگڑے کی طرف منتقل ہوا تو اس رات کی تعیین میرے ذہن سے نکل گئی کہ وہ کونسی رات تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے

ہے، اور رمضان المبارک کے بھی آخری عشرے میں ہوتی ہے، اور آخری عشرے کی بھی طاق راتوں میں، یعنی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ ان راتوں میں سے کسی رات میں ہوتی ہے، اور زیادہ تر علماء کا یہ خیال یہ ہے کہ یہ رات بدلتی رہتی ہے، یعنی کسی رمضان میں ۲۱ ویں شب میں دوسرے رمضان میں ۲۵ ویں شب میں، کبھی ۲۷ ویں شب میں گویا کہ ہر سال یہ رات بدلتی رہتی ہے۔

۲۷ ویں شب اور لیلۃ القدر

لیکن ۲۷ ویں شب میں لیلۃ القدر کے ہونے کا زیادہ احتمال ہوتا ہے، اس لئے کہ علماء نے فرمایا کہ یہ رات بکثرت ۲۷ شب میں آیا کرتی ہے، بعض حضرات نے ۲۷ ویں شب میں آنے کے قرینے بھی نکالے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ سورۃ القدر کے الفاظ کو اگر شمار کریں تو ۲۷ واں لفظ ”ہی“ ہے، جو آخری آیت میں ہے، سَلَّمَ ۚ هِيَ حَتَّىٰ مَطَلَيْمُ الْفَجْرِ ۝ اور اس سورۃ میں کل ۳۰ الفاظ ہیں اور ۲۷ واں لفظ ہی ہے، اور ہی ضمیر ”لیلۃ القدر“ کی طرف لوٹ رہی ہے، گویا کہ ۲۷ واں لفظ لیلۃ القدر ہے، اس سے اس طرف اشارہ کہ لیلۃ القدر ۲۷ ویں شب میں واقع ہوگی۔

”لیلۃ القدر“ کے ۹ حروف

اسی طرح اس سورت میں لفظ ”لیلۃ القدر“ کے الفاظ تین مرتبہ آئے ہیں، اور ”لیلۃ القدر“ کے حروف ۹ ہیں، اور ۹ کو ۳ سے ضرب دیں تو جواب میں ۲۷

ملائکہ اور روح القدس اللہ تعالیٰ کا ہر امر لے کر آتے ہیں۔ ”ہرام“ لے کر آنے کا مطلب یہ ہے کہ سال بھر میں جتنے واقعات اللہ تعالیٰ نے مقدر کر رکھے ہیں کہ فلاں شخص پیدا ہوگا، فلاں کا انتقال ہوگا، فلاں کو اتنا رزق دیا جائے گا، فلاں کے ساتھ یہ بیماریاں ہوں گی، فلاں صحت مند ہوگا وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے اندر یہ سارے کام ملائکہ کے ذریعہ انجام دلاتے ہیں۔ تو اس رات میں ملائکہ کو سال بھر میں ہونے والے اعمال سپرد کر دیے جاتے ہیں کہ اس سال تمہیں یہ کام کرنے ہیں۔ ”مِنْ كُلِّ أَمْرٍ“ کا یہی مطلب ہے۔

اس رات میں دعا کرے

اس اعتبار سے یہ رات اہمیت رکھتی ہے کہ اس رات میں آدمی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، اور دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کے لئے خیر اور بھلائیوں کے کام متعلقہ فرشتوں کے حوالے کرے تو یہ بھی ایک بڑی عظیم بات ہے۔

ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں

اس سورت میں اگرچہ رمضان کی رات کے بارے میں ذکر ہے، لیکن ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ خصوصیت جو اس سورت میں بیان کی گئی ہیں، اگرچہ اسی لیلة القدر کے بارے میں ہے جو رمضان المبارک میں آتی ہے، لیکن بعض راتیں ایسی ہیں جو اگرچہ وہ ان خصوصیات کی حاصل تو نہیں ہیں۔ لیکن ان راتوں میں عبادت کرنے کا ثواب لیلة القدر میں

لیلة القدر قرار دیا تھا، اور میں بھول گیا۔

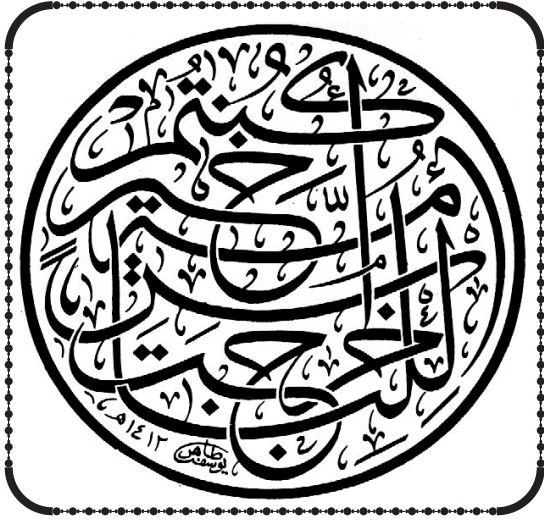
لڑائی جھگڑا منحوس چیز ہے

اب ظاہر ہے کہ یہ بھولنا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے تھا، اور اس کے ذریعہ یہ سبق دینا منظور تھا کہ مسلمانوں کا باہمی لڑائی جھگڑا اور مسلمانوں کا ایک دوسرے سے برسر پیکار ہونا، اور ان کے تنازعات اللہ تعالیٰ کو اتنے ناگوار اور اتنے ناپسند ہیں کہ اس کی نحوست سے لیلة القدر کی متعین تاریخ نبی کریم ﷺ سے بھلا دی گئی۔ لہذا مسلمانوں کے باہمی جھگڑے اور لڑائی ایسی چیز ہے کہ اس کے نتیجے میں اتنی قیمتی بات جس سے مسلمان ساری زندگی فائدہ اٹھا سکتے تھے، وہ بھلا دی گئی، ورنہ نبی کریم ﷺ وحی کی بات کبھی نہیں بھولتے تھے، بس صرف وہی بات بھلا دی جاتی تھی، جسے منسوخ کرنا منظور ہوتا۔ بہر حال! اس کے ذریعہ مسلمانوں کو یہ سبق دینا تھا کہ اے مسلمانوں! آپس کے لڑائی جھگڑوں سے جتنا ہو سکے، اپنے آپ کو بچاؤ، یہ لڑائی جھگڑا بڑی منحوس چیز ہے۔

اس رات میں فرشتے ہر امر لیکر نازل ہوتے ہیں

پھر قرآن کریم نے تو ”لیلة القدر“ ایک ہی قرار دی ہے، کہ وہ ایک رات رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہوتی ہے، اس رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا کیا برکتیں نازل ہوتی ہیں، کیا کیا انوار نازل ہوتے ہیں ہم پوری طرح ان کا ادراک بھی نہیں کر سکتے، لیکن فرمایا کہ اس رات میں

۱۲۲



۱۲۳

عبادت کرنے کے برابر ہے، جیسے ذوالحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں، ان کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان دس راتوں میں ہر رات میں عبادت کرنا شب قدر کی عبادت کے برابر ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے شب قدر کی جو خصوصیات ہیں، وہ تو صرف رمضان المبارک میں آنے والی لیلۃ القدر کے ساتھ خاص فرمادیں۔ لیکن اس کا اجر و ثواب بعض دوسری راتوں میں بھی منتقل فرمادیا۔ وہ ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں، اگر اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے تو وہ اجر و ثواب ہم ان راتوں میں بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہمیں اس کی قدر پہچان نے کی توفیق عطا فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○





نزول قرآن کا آغاز

(تفسیر سورۃ العلق)

1

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی



میمن اسلامک پبلشرز

۱۲۸

الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۚ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ

يَعْلَمُ ۝ (سورہ العلق: ۵ تا ۱)

آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيمُ، وَصَدَقَ

رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ، وَنَحْنُ عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ

وَالشَّاكِرِينَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز، کچھ عرصہ سے میں نے پارہ عم کی مختلف چھوٹی سورتوں کا بیان شروع کر رکھا ہے، اور اس سے پہلے سورۃ بینہ اور اس کے بعد پھر سورۃ قدر کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور اس کی توفیق سے مکمل ہو چکی ہے، اب جو آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں، یہ سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیات ہیں۔ اس سورۃ کو سورۃ علق بھی کہتے ہیں، اور ابھی جو پانچ آیتیں میں نے تلاوت کی ہیں، یہ قرآن کریم کی سب سے پہلی آیات ہیں، جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئیں۔ یعنی قرآن کریم کے نزول کا آغاز ان پانچ آیتوں سے ہوا۔

صادق اور امین کے لقب سے معروف تھے

اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، آپ

۱۲۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نزول قرآن کا آغاز

تفسیر سورۃ العلق

1

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلِّهِ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسَدَنَّا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۞

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ

الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝

صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا سایہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہونے سے پہلے ہی سر سے اٹھ چکا تھا، اور آپ کی پرورش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب نے کی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے چالیس سال اس طرح گزارے کہ پورے مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق اور امین کہا جاتا تھا۔ صادق کے معنی ہیں ”سچا“ اور امین کے معنی ہیں۔ ”امانتدار“ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سچائی اور امانتداری میں پوری بستی میں مشہور اور معروف تھے۔ لوگ اپنے جھگڑوں کا فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا کرتے تھے، لوگوں کے درمیان اختلاف ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا تصفیہ کیا کرتے تھے۔

اہل عرب اور بت پرستی

اس وقت عرب کی حالت یہ تھی کہ حضرت ابراہیم u کا دین رفتہ رفتہ مختلف تحریفات کا شکار ہو کر تقریباً مٹ چکا تھا، اور عرب کے لوگ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر تو ایمان رکھتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو خالق کائنات ماننے کے باوجود انہوں نے یہ عقیدہ رکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات مختلف دیوتاؤں کو سونپ دیے ہیں۔ کوئی رزق دینے والا دیوتا ہے، کوئی اولاد دینے والا دیوتا ہے، اور کوئی مشکلات میں انسان کی مدد کرتا ہے۔ ان مختلف دیوتاؤں کے لئے انہوں نے بت بن رکھے تھے، چھوٹے بڑے ہزاروں بت موجود تھے، اور خود بیت اللہ شریف کے اندر جو ابراہیم u کا تعمیر کیا ہوا تھا، اس میں ۳۶۰

بت رکھے ہوئے تھے، لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے بجائے ان بتوں کی عبادت کرتے تھے، اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم عبادت کے ذریعہ ان کو خوش کریں گے تو یہ بت ہمیں رزق فراہم کریں گے، ہمیں روزگار فراہم کریں گے، ہمیں اولاد دیں گے۔ مشکلات میں ہماری مدد کریں گے، مشکل کشا اور حاجت روا ہوں گے، ان عقیدوں کے ساتھ وہ بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بت پرستی سے اجتناب

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ابھی وحی نبوت کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے ان عقیدوں سے بے زار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سمجھتے تھے کہ جب اس کائنات کو پیدا کرنے والا ایک اللہ ہے، تو عبادت کا مستحق بھی وہی ہے، اور یہ پتھر کے بت جو لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے ہیں، اور ان کو اپنا دیوتا قرار دیدیا ہے، اور ان کو اپنا مشکل کشا اور حاجت روا قرار دیا ہوا ہے، یہ محض گھڑی ہوئی باتیں ہیں، عقل میں بھی آنے والی نہیں ہیں، اس لئے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ پتھر کے بت جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں۔ اس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہ میری مشکل دور کرتا ہے اور میری حاجت پوری کرتا ہے، ساری قوم بت پرستی میں لگی ہوئی تھی، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اجتناب کرتے تھے۔

۱۳۲

فاصلے پر ایک پہاڑ ہے، جو آج بھی جبل نور کے نام سے موجود ہے، اس پہاڑ میں ایک غار ہے۔ جو ”غارِ حرا“ کہلاتا ہے، اور آج بھی وہ غار اسی نام سے موجود ہے۔ آپ وہاں تشریف لے جاتے، اور وہاں تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے، بعض اوقات کئی کئی دن آپ ﷺ وہاں رہتے۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جس وقت نبوت کا آغاز ہوا، اس وقت تقریباً ایک مہینہ اس غار میں مقیم رہے، کھانے پینے کا تھوڑا بہت سامان اپنے ساتھ لیجاتے، اور وہاں پر عبادت کرتے۔

اس وقت عبادت کا طریقہ کیا تھا؟

عبادت کس طرح کرتے تھے؟ یہ ہمیں معلوم نہیں، اس وقت تک نماز کا وہ خاص طریقہ جو بعد میں مسلمانوں پر معراج کے موقع پر فرض کیا گیا۔ وہ طریقہ اس وقت بظاہر موجود نہیں تھا۔ حضرت ابراہیم ؑ کے زمانے سے عبادت کے جو طریقے چلے آ رہے تھے۔ بظاہر ان طریقوں سے عبادت کرتے ہونگے، یا وہاں پر بیٹھ کر صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کی حکمت بالغہ پر غور و فکر اور اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی بندگی کا ایک تصور، یہ بھی عبادت کا ایک طریقہ تھا۔ بہر حال! جس طرح بھی آپ وہاں پر عبادت کرتے تھے۔

۱۳۱

خلوت میں عبادت کا آغاز

جب آپ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجۃ الکبریٰ ۲ سے ہوا تو اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اپنی قوم کی اس بت پرستی سے اپنے آپ کو دور کرنے کے لئے یہ سوچا کہ میں کسی خلوت کی جگہ میں جا کر اپنے اللہ کی عبادت کروں، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ ۲ کی ایک بہت طویل حدیث صحیح بخاری میں آئی ہے، اس حدیث میں انہوں نے یہ بیان فرمایا ہے کہ کس طرح نبی کریم ﷺ پر نبوت کا آغاز ہوا۔

خلوت کیلئے غارِ حراء کا انتخاب

حضرت عائشہ صدیقہ ۲ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ پر نبوت کا آغاز اس طرح ہوا کہ شروع میں تقریباً چھ مہینے ایسے گزرے کہ اس میں آپ ﷺ کو سچے خواب آتے تھے، اور جو کچھ آپ ﷺ خواب میں دیکھتے، بعد میں وہ واقعہ واضح طور پر جس طرح صبح کی روشنی ہوتی ہے، اس طرح پیش آ جاتا تھا۔ اسی دوران نبی کریم ﷺ کو خلوت اور تنہائی سے ایک خاص انس پیدا ہو گیا۔ حضرت عائشہ ۲ فرماتی ہیں کہ:

حُبِّ إِلَهِ الْخَلَاءِ

یعنی خلوت گزینی، تنہائی اور لوگوں سے الگ رہنا، آپ ﷺ کو پسند آنے لگا، چنانچہ اس غرض کے لئے آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کی آبادی سے کچھ

۱۳۴

سیکھا، لیکن ان کی زبان سے ایسے علوم کی باتیں جاری ہو رہی ہیں کہ بڑے بڑے فصیح و بلیغ، بڑے بڑے پڑھے لکھے، بڑے بڑے تعلیم یافتہ لوگ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ جیسے کسی شاعر نے خوب کہا کہ:

اُحیٰ ونکتہ دانِ عالم

کہ وہ تھے تو اُحیٰ، لیکن سارے عالم کے علوم سرکارِ دو عالم ﷺ کے اندر جمع تھے۔ چونکہ یہ معجزہ دکھانا تھا، اس لئے آپ ﷺ کو اُحیٰ رکھا گیا تھا۔

وحی کی ابتداء اور نزولِ قرآن کا آغاز

بہر حال! جب حضرت جبریل ؑ نے فرمایا: ”اِقْرَأْ“ تو جواب میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ”مَا اَنَا بِقَارِئٍ“ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، جب آپ ﷺ نے یہ عذر پیش کیا تو حضرت جبریل ؑ چونکہ انسانی شکل میں آئے تھے، اس لئے انہوں نے حضور اقدس ﷺ کو اپنے سینے سے لگا کر زور سے بھینچا، سرکارِ دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ اتنی زور سے بھینچا کہ مجھے تکلیف ہونے لگی، اور پھر مجھے چھوڑ دیا، اور پھر کہا: ”اِقْرَأْ“ پڑھیے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے پھر یہ جواب دیا ”مَا اَنَا بِقَارِئٍ“ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، حضرت جبریل ؑ نے دوبارہ زور سے بھینچا، پھر چھوڑا، پھر تیسری بار کہا: ”اِقْرَأْ“ آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا ”مَا اَنَا بِقَارِئٍ“ اس

۱۳۳

ایک ماہ کا طویل قیام

آخری بار رمضان المبارک کا مہینہ تھا، اور پورا مہینہ آپ ﷺ نے غارِ حرا کے اندر گزارا، اور جب آپ ﷺ کا توشہ، اور کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا تو بعض اوقات آپ خود نیچے اترتے اور توشہ لے آتے، اور بعض اوقات حضرت خدیجہ الکبریٰ ؓ کھانے پینے کا سامان لے آتیں، اس طرح تقریباً ایک مہینہ وہاں قیام رہا۔

آپ ﷺ کو اُحیٰ رکھنے میں حکمت

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اسی قیام کے دوران جب میں وہاں اس غار کے اندر موجود تھا کہ حضرت جبریل امین ؑ جو اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین فرشتے ہیں، وہ آئے اور مجھ سے کہا:

اِقْرَأْ

پڑھو، نبی کریم ﷺ کو پڑھنے کا حکم دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے نبی کریم ﷺ کو اُحیٰ بنایا، یعنی آپ ﷺ لکھتے بھی نہیں تھے، پڑھتے بھی نہیں تھے، اور درحقیقت آپ ﷺ کی نبوت اور رسالت کو لوگوں کے سامنے واضح ثبوت کے طور پر پیش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اُحیٰ بنایا تھا کہ دیکھو، یہ ایسے صاحب ہیں، جنہوں نے نہ لکھنا سیکھا اور نہ پڑھنا

۱۳۵

کے بعد حضرت جبرئیل u نے تیسری مرتبہ بھیجا اور فرمایا:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝

اپنے اس پروردگار کے نام سے پڑھو، جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا،

اور پھر جبرئیل امین نے یہ ابتدائی پانچ آیتیں تلاوت کیں:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ

مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝

عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

یہ پانچ آیتیں پڑھنے کے بعد حضرت جبرئیل u چلے گئے۔ اس کا

مطلب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح تھا کہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا فرشتہ

میرے پاس بھیجا ہے، اور مجھے نبوت کا منصب عطا فرمایا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا

پیغام دنیا بھر تک پہنچاؤں، اور اپنی قوم کو اس بت پرستی سے نجات دلا کر راہ

راست پر لاؤں۔

ذمہ داری کا بوجھ

آپ ذرا تصور کیجئے کہ پورا عرب بت پرستی سے بھرا ہوا ہے، کوئی شخص

شرک کے خلاف ایک لفظ سننے کو تیار نہیں، اور لوگ اتنے ضدی ہیں کہ جو بات ان

کی سمجھ میں آجائے، اس پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں،

اگر دشمنیاں ہو جائیں تو نسلوں تک چلتی ہیں، اگر لڑائی کی آگ بھڑک اٹھے تو

۱۳۶

چالیس چالیس سال تک لڑائی چلتی رہتی ہے۔ ایسے ماحول ہیں تن تنہا نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فریضہ سونپا جا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کی اصلاح کیجئے۔

اس ذمہ داری اور رسالت کا بوجھ آپ کے اوپر اتنا سخت ہوا کہ اس کی وجہ سے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر جاڑھ چڑھ گیا، بخار آ گیا اور اسی حالت میں آپ پہاڑ سے

نیچے اترے، اور گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ ۲ سے فرمایا:

زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي

مجھے کمبل اڑھاؤ، مجھے کمبل اڑھاؤ

اللہ تعالیٰ ناکام نہیں فرمائیں گے

حضرت خدیجہ الکبریٰ ۲ نے کمبل اوڑھایا، اور پوچھا کیا بات ہے؟

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا واقعہ حضرت خدیجہ الکبریٰ ۲ کے سامنے بیان

کیا۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ ۲ کو اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقہ

حیات بننے کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ تو حضرت خدیجہ الکبریٰ ۲ نے بنی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی، اور عجیب انداز سے تسلی دی۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ناکام

اور نامراد نہیں فرمائیں گے، کیونکہ آپ کا معاملہ یہ ہے کہ:

إِنَّكَ تَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلَى

نَوَائِبِ الْحَقِّ

آپ محتاجوں کی مدد کرتے ہیں، معذوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

۱۳۷

مہمانوں کی مہمانداری کرتے ہیں، اور لوگوں کو کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو ان کی مدد کرتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ آپ کو نامراد نہیں فرمائیں گے۔ محروم نہیں فرمائیں گے۔

حضرت خدیجہ r کی تسلی الہامی تھی

میں سوچتا ہوں کہ ایسے وقت میں جبکہ ایسے الوالعزم پیغمبر ﷺ کو اپنی ذمہ داری کے بوجھ سے جاڑا چڑھا ہوا ہے، اور وہ گھبرا رہے ہیں کہ میں اس ذمہ داری کو کس طرح نبھاؤں گا، اور کس طرح ادا کروں گا؟ اس وقت جو الفاظ حضرت خدیجہ الکبریٰ r نے سرکارِ دو عالم ﷺ کے سامنے کہے ہیں۔ یہ الفاظ یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ان کے دل میں ڈالے گئے ہیں کہ اگر ان الفاظ سے تم ان کو تسلی دو گی تو میرے محبوب ﷺ کو قرار آئے گا، اور اس سے آپ کا بوجھ ہلکا ہوگا۔ ان الفاظ میں نبی کریم ﷺ کی یہ صفات بیان فرمائیں کہ آپ سارے لوگوں کی مدد کرتے ہیں، محتاجوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، اور لوگوں کی مصیبتوں میں ان کی امداد کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ آپ کو نامراد نہیں فرمائے گا۔

ورقہ بن نوفل

حضرت خدیجہ الکبریٰ r کے ایک چچا زاد بھائی تھے، جن کا نام ورقہ بن نوفل تھا، انہوں نے بت پرستی کو چھوڑ کر حضرت عیسیٰ u کا دین اختیار کر لیا تھا،

۱۳۸

کیونکہ وہ بھی بت پرستی سے بے زار تھے اور بتوں کی عبادت کو درست نہیں سمجھتے تھے، اس وقت کے لحاظ سے آخری نبی کا جو پیغام تھا، اور حضرت عیسیٰ u کا جو پیغام تھا، اس کو جاننے کے لئے انہوں نے انجیل کی تعلیم حاصل کر لی تھی، وہ انجیل کو پڑھا بھی کرتے تھے اور اس کا ترجمہ بھی کیا کرتے تھے۔

ورقہ بن نوفل سے ملاقات

حضرت خدیجہ الکبریٰ r کے دل میں خیال آیا کہ یہ اہل عرب تو بت پرستی میں مبتلا ہیں، یہ تو نبوت اور رسالت کے سلسلے سے بالکل ناواقف ہیں، ان کو تو کچھ پتہ نہیں، لہذا ورقہ بن نوفل کے پاس جانا چاہئے، کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ u کی رسالت کے قائل ہیں اور حضرت عیسیٰ u پر نازل انجیل کو وہ پڑھتے ہیں، لہذا ان سے کچھ معلومات اس بارے میں حاصل ہوں گی، چنانچہ حضرت خدیجہ الکبریٰ r حضور اقدس ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، ورقہ بن نوفل اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے، اور بینائی جاتی رہی تھی، آنکھوں سے نظر نہیں آتا تھا، سرکارِ دو عالم ﷺ ان کے پاس گئے اور حضرت خدیجہ الکبریٰ r نے ان کو سارا واقعہ بتایا کہ اس طرح کا واقعہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ پیش آیا ہے۔

ورقہ بن نوفل کی آپ ﷺ کو تسلی

ورقہ بن نوفل نے پورا واقعہ سننے کے بعد کہا کہ وہ فرشتہ جو آپ ﷺ کو

۱۳۹

دکھائی دیا اور جس نے آکر آپ ﷺ سے ”اِقْرَأْ“ کہا، یہ وہی فرشتہ ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ پر نازل کیا تھا، اور یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت عیسیٰ ؑ کے پاس آیا تھا، اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو نبوت اور رسالت کا منصب عطا فرمایا ہے، اور آپ کو نبی اور رسول بنایا ہے، مجھے اس بات کی حسرت ہو رہی ہے کہ میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں، اگر میں جوان ہوتا تو اس وقت آپ کی مدد کرتا جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو آپ کی بستی سے نکال دے گی۔ اس کے جواب میں حضور اقدس ﷺ نے سوال کیا کہ: اَوْحَجِرْ جِئْهُمْ؟ کیا یہ لوگ مجھے اپنی بستی سے نکال دیں گے؟ اور مجھے جلاوطن کر دیں گے؟ اس پر ورقہ بن نوفل نے کہا کہ شروع ہی سے یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے کہ جب کوئی پیغمبر آتا ہے، اور اس کی قوم گمراہی میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے، اور وہ پیغمبر اس قوم کو گمراہی سے نکالنے کے لئے ان کو برحق عقیدوں کی طرف بلاتا ہے۔ تو قوم کے لوگ اس کو ستاتے ہیں۔ لہذا مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ آپ ﷺ کو بھی ستائیں گے، اور کاش کہ میں اس وقت جوان ہوتا تو بڑی قوت کے ساتھ آپ ﷺ کی مدد کرتا۔ لیکن میں اپنی زندگی کے آخری ایام گزار رہا ہوں، اور شاید میں وہ زمانہ نہ پاسکوں۔

وحی کا سلسلہ موقوف ہو گیا

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ورقہ بن نوفل کا اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد ہی انتقال

۱۴۰

ہو گیا اور اس واقعہ کے بعد تقریباً ڈھائی سال تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا، اور پھر ڈھائی سال کے بعد سورۃ ”مزل“ اور سورۃ مدثر کی آیات نازل ہوئیں، اور پھر وحی کا سلسلہ جاری ہو گیا، اور ۲۳ سال میں قرآن کریم کا نزول مکمل ہوا۔

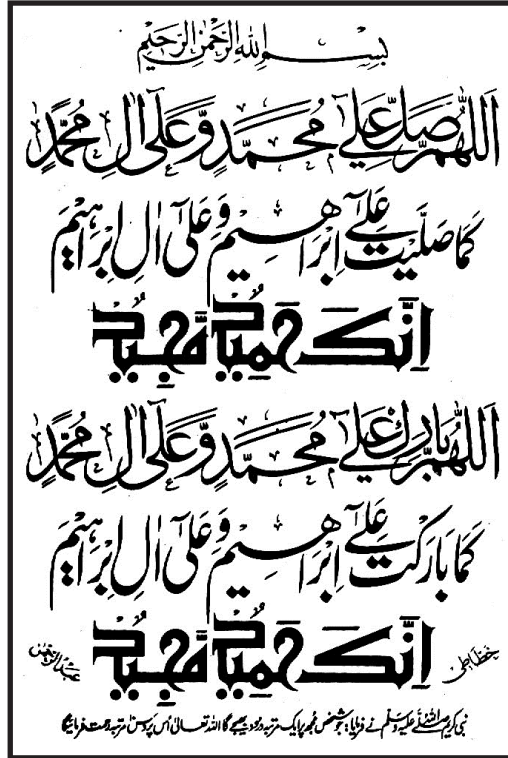
پانچ عظیم آیات

بہر حال! یہ پانچ آیتیں جو میں نے آج آپ کے سامنے تلاوت کیں، یہ وہ عظیم پانچ آیات ہیں جن سے نبی کریم ﷺ پر وحی کا آغاز ہوا، اور قرآن کریم کے نزول کا آغاز ہوا، جن کے ذریعے نبی کریم ﷺ کو نبوت اور رسالت کے منصب پر فائز کیا گیا۔ یہ وہ عظیم آیات ہیں اب چونکہ وقت ختم ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا فرمائی تو ان آیات کی تفسیر اور تشریح اگلے جمعہ میں عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



۱۴۲



۱۴۱

انسان کی تخلیق اور قلم کے ذریعہ علم سکھانا (تفسیر سورة العلق)

2

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ مبین صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی



مبین اسلامک پبلشرز

۱۴۴

مِنْ عَلَيَّ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِي
عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝
(سورہ العلق: ۱ تا ۵)

اَمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ
رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلَى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ
وَالشّٰكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز، یہ سورۃ ”اِقْرَأْ“ کی ابتدائی ۵ آیات
ہیں جن کے بارے میں گزشتہ جمعہ کو یہ عرض کیا تھا کہ یہ سب سے پہلی آیات
ہیں جو حضور اقدس ﷺ پر نازل ہوئیں۔ اور غار میں حضرت جبریل
ان آیات کو لے کر آئے۔ اس کا مفصل واقعہ گزشتہ جمعہ کو میں نے آپ کے سامنے
عرض کیا تھا۔

ایک اُمّی کی زبان سے علوم جاری

اس واقعہ میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ جب حضرت
جبریل u حضور اقدس ﷺ کے سامنے آئے تو انہوں نے حضور ﷺ سے
فرمایا کہ ”اِقْرَأْ“ پڑھو، رسول کریم ﷺ چونکہ اُمّی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی
خاص حکمت اور مصلحت سے آپ ﷺ کو ایسا بنایا تھا کہ آپ ﷺ نے لکھنا
پڑھنا نہیں سیکھا تھا تا کہ یہ بات ایک معجزہ کے طور پر دنیا کے سامنے آئے کہ ایسا

۱۴۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

انسان کی تخلیق

اور قلم کے ذریعہ علم سکھانا

تفسیر سورۃ العلق

2

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ
سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهٖ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ
يُّضِلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ
لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَدَدَنَا وَنَبِيَّنَا
وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ
وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ

۱۴۵

شخص جس نے زندگی بھر نہ لکھا، نہ پڑھا، اس کی زبان مبارک پر ایسے علوم جاری ہو رہے ہیں، جس کے آگے سارے علماء حکماء کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کو ایک معجزہ دکھانا تھا، اس واسطے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”ما انا بقاری“ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس وقت جبریل امین ؑ نے آپ کو سینے سے لگا کر بھیجا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کو بہت تکلیف محسوس ہونے لگی۔

جبریل امین ؑ کے بھیجنے کی وجہ

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت جبریل ؑ نے آپ ﷺ کو کیوں بھیجا؟ اس کی اصل وجہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، لیکن علماء کرام نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ درحقیقت اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کے قلب مبارک میں ملکوتی صفات منتقل کرنا چاہتے تھے، اس مقصد کے لئے حضرت جبریل ؑ نے آپ ﷺ کو دبا یا، یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ ﷺ کے اندر وہ صفات پیدا فرمائیں گے کہ آپ ﷺ لکھے پڑھے نہ ہونے کے باوجود آپ پڑھیں گے، اور پڑھائیں گے۔ اور دبانے کا یہ معاملہ تین مرتبہ پیش آیا، اور تینوں مرتبہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، تیسری بار کے بعد حضرت جبریل ؑ نے ان پانچ آیات کی تلاوت کی:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَ رَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي

۱۴۶

عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

پروردگار کے نام سے پڑھو

فرمایا: اپنے پروردگار کے نام سے پڑھو، جس نے سب کچھ پیدا کیا۔ یعنی آپ ﷺ یہ جو فرما رہے ہیں کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں وہ ساری قدرتیں جمع ہیں جو کسی انسان کو پڑھا ہوا نہ ہونے کے باوجود اس کو نہ صرف پڑھنے والا بنا سکتی ہے۔ بلکہ پڑھانے والا بھی بنا سکتی ہے، معلم کائنات بھی بنا سکتی ہے، اس لئے فرمایا کہ اپنے پروردگار کے نام سے پڑھو۔ اس کے ذریعہ اس طرف اشارہ فرمایا کہ تم اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھو، اور یہاں پر لفظ ”اللہ“ نہیں فرمایا، بلکہ پروردگار فرمایا، پروردگار کے معنی ہیں وہ جو پرورش کرنے والا ہے، آپ ﷺ اس کا نام لے کر پڑھیں تو پڑھے لکھے نہ ہونے کے باوجود آپ ﷺ کے اندر پڑھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی اور پھر آپ ﷺ نہ صرف یہ کہ پڑھنے لگیں گے، بلکہ دوسروں کو بھی پڑھانے لگیں گے۔

”بسم اللہ“ پڑھ کر تلاوت کریں

اس سے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ جب بھی آپ قرآن کریم پڑھیں، یا کوئی اور چیز پڑھیں، تو اس کو اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ پڑھا کریں۔ یعنی ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کہہ کر پھر پڑھا کریں۔ بعض روایات میں یہ بھی

۱۴۷

منقول ہے کہ جس وقت جبریل امین ؑ نے آپ ﷺ کے سامنے یہ آیات تلاوت کیں، اس وقت ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ بھی پڑھی تھی، اور یہ بسم اللہ بھی ابتدائی آیات کے ساتھ نازل ہوئی، اور اس کے ذریعہ یہ حکم دیا گیا کہ جب کبھی آپ ﷺ تلاوت کریں تو پہلے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھیں، چنانچہ یہ سنت چلی آرہی ہے، کہ جب بھی آدمی قرآن کریم کی تلاوت کرے تو وہ ”اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم“ پہلے پڑھے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے کہ

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ
الرَّجِيمِ ۝ (النحل: ۹۸)

اور اعوذ باللہ کے بعد ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ بھی پڑھے۔

پروردگار وہ ہے جس نے پیدا کیا

آگے سوال پیدا ہو رہا ہے کہ کون سے پروردگار کے نام سے پڑھے، اس کے لئے فرمایا:

الَّذِي خَلَقَ

وہ پروردگار جس نے پیدا کیا، کس چیز کو پیدا کیا؟ اس کا ذکر یہاں پر نہیں کیا، مطلب یہ ہے کہ جس نے ہر چیز کو پیدا کیا، سب کچھ پیدا کیا، اس کائنات میں جو بھی چیز ہے، جس عالم میں ہے، جہاں ہے، جیسی ہے، وہ سب اسی پروردگار کی تخلیق ہے، اس سے اشارہ اس طرف فرما دیا کہ جب وہ خالق ہے اور

۱۴۸

ہر چیز اس کی پیدا کی ہوئی ہے، تو وہ خالق جس نے ساری کائنات بنائی، جس نے اس کو پیدا کیا ہے، وہ آپ کے اندر بھی پڑھنے اور پڑھانے کی صلاحیت پیدا کر سکتا ہے، لہذا اس بات سے رنجیدہ مت ہو جائیں کہ آپ ﷺ پڑھے لکھے نہیں ہیں، جس اللہ نے ساری کائنات پیدا کی ہے، وہ آپ کے اندر عالم ہونے کی اور معلّم ہونے کی صلاحیت پیدا کرنے والا ہے۔

انسان کی تخلیق کا ذکر کیوں؟

آگے فرمایا:

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ

یعنی ساری کائنات تو اسی نے پیدا کی ہے، لیکن خاص طور پر انسان کا ذکر کیا کہ انسان کو ایک جے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ یہاں خاص طور پر انسان کی تخلیق کا ذکر اس لئے فرمایا کہ انسان ساری کائنات کے تمام عالموں کا ایک مجموعہ ہے، انسان کے اندر تمام عالموں کا خلاصہ موجود ہے، تمام عالموں کی نمائندگی موجود ہے، اس لئے کہ کائنات میں جتنی چیزیں پائی جاتی ہیں، چاہے وہ جمادات ہوں، یا نباتات ہوں، یا سیال چیزیں ہوں، جمادات جیسے پتھر، نباتات، جیسے اُگنے والی چیزیں، سیال یعنی بہنے والی چیزیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر یہ ساری چیزیں پیدا کی ہیں، انسان کے اندر جامد مادہ بھی ہے، جیسے ہڈیاں، انسان کے اندر اُگنے والی چیزیں بھی ہیں، جیسے بال، اور انسان کے اندر

انسان کی پیدائش کے مختلف مراحل

یہاں پر صرف جے ہوئے خون کا ذکر ہے، دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسان کے تمام مراحل بیان فرمائے ہیں۔ فرمایا کہ سب سے پہلے ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے پیدا کیا، پھر اس نطفہ کو علقہ بنایا، یعنی اس کو جما ہوا خون بنایا، پھر اس جے ہوئے خون کو گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں تبدیل کر دیا، پھر اس کے اندر ہڈیاں پیدا کیں، اور پھر ہڈیوں پر گوشت کا لباس چڑھایا۔ ان سارے مراحل سے گزارنے کے بعد پھر فرمایا:

ثُمَّ آدَشْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ط (سورہ مؤمنون، آیت ۱۴)

پھر ہم نے اس کو ایسی اٹھان دی کہ وہ دوسری مخلوق بن کر کھڑا ہو گیا، جب تک وہ مٹی تھا، تو اس کے اندر نہ شعور تھا، نہ اس میں عقل اور سمجھ تھی، اور جب وہ نطفہ تھا، تو اس میں کوئی عقل اور سمجھ نہیں تھی، جب وہ خون تھا تو اس میں بھی عقل و شعور نہیں تھا، جب وہ گوشت کا لوتھڑا تھا تو بھی اس میں عقل و شعور نہیں تھا، اور ہڈی اور گوشت چڑھانے کے بعد پھر ہم نے اس کے اندر ایسی روح پھونک دی کہ وہ ایک دوسری ہی مخلوق بن کر کھڑا ہو گیا، بہر حال! جن مختلف مراحل سے گزار کر اللہ تعالیٰ انسان کو پیدا فرماتے ہیں۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ

بننے والی چیزیں بھی ہیں، جیسے خون اور فضلات اور پانی۔ اس طرح انسان کے اندر ہر عالم کی نمائندگی موجود ہے۔

انسان ایک چھوٹا عالم ہے

جتنے قسم کی معدنیات دنیا کے اندر پائی جاتی ہیں۔ ان تمام معدنیات کا مجموعہ انسان کے اندر موجود ہے، مثلاً لوہا انسان کے جسم کے اندر موجود ہے، طرح طرح کے دوسرے معدنیات انسان کے اندر موجود ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ:

الْإِنْسَانُ عَالَمٌ صَغُرٌ

کہ انسان خود ایک چھوٹا عالم ہے، اور پورے عالم کی نمائندگی اسی انسان کے اندر موجود ہے۔

انسان عجیب تر مخلوق

اور اگر انسان کی تخلیق کی طرف دیکھا جائے تو ساری کائنات میں سب سے زیادہ عجیب تر مخلوق انسان ہے، عجیب کارخانہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر بنایا ہے، سر سے لے کر پاؤں تک ایک ایک عضو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کی حکمت بالغہ کا آئینہ دار ہے، کس طرح اللہ تعالیٰ انسان کی تخلیق فرماتے ہیں، اس کی چھوٹی سی مثال دیدی کہ: ”خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۖ“ کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جے ہوئے خون سے پیدا کیا۔

استطاعت سے باہر ہو۔ وہ بڑا کریم ہے۔

قلم کے ذریعہ علم عطا فرمایا

وہ کیسا کریم ہے؟ اس کے بارے میں آگے فرمایا:

الَّذِي عَلَّمَهُ بِالْقَلَمِ ۝

جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ علم عطا کیا — یہ کیا عجیب بات بیان فرمائی ہے کہ قلم کے ذریعہ علم عطا کیا۔ اس کے ذریعہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ آج انسان مدارس میں، اسکولوں میں، کالجوں میں، درسگاہوں میں جو علوم حاصل کرتا ہے، وہ کس طرح حاصل کرتا ہے؟ کوئی لکھی ہوئی چیز پڑھتا ہے، اس کے ذریعہ وہ علم حاصل کرتا ہے، اور وہ چیز جو لکھی ہوئی ہوتی ہے، وہ کسی قلم سے لکھی ہوئی ہوتی ہے، تو قلم کو اللہ تعالیٰ نے انسان تک علم پہنچانے کا ذریعہ بنا دیا ہے —

حروف سے الفاظ کیسے بنے؟

اس کے ذریعہ اس طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ ذرا اس بات پر غور کرو کہ اس قلم کے ذریعہ جو تحریر لکھی جاتی ہے، اس تحریر کو سمجھنا اور اس سے مطلب نکالنا کس طرح وجود میں آیا؟ ہم اور آپ صبح شام تحریریں لکھتے بھی ہیں اور پڑھتے بھی ہیں۔ لیکن ذرا ہم سوچیں کہ اگر ”الف“ لکھیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا ”با“، لکھیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا، اور ”تا“، لکھیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا یہ باتیں کہاں پر طے ہوں گی؟ کیا کوئی عالمی کانفرنس بلائی گئی تھی جس میں یہ

درمیانی مرحلہ جما ہوا خون

یہ جتنے مراحل انسان کی پیدائش کے جو میں نے ابھی آپ کے سامنے ذکر کئے، ان میں درمیانی مرحلہ جسے ہوئے خون کا ہے، یعنی پہلا مرحلہ مٹی، دوسرا مرحلہ نطفہ، تیسرا مرحلہ جما ہوا خون، پھر مضغہ، پھر ہڈیاں اور پھر گوشت، ان میں درمیانی درجہ ”خون بستہ“ کا ہے، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کو جسے ہوئے خون سے پیدا فرمایا:

آپ کا رب بڑا کریم ہے

پھر آگے فرمایا:

اقْرَأْ وَ رَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝

یعنی جب یہ بات سمجھ میں آگئی کہ باوجود آپ ﷺ کے پڑھے لکھے نہ ہونے کے آپ ﷺ کا پڑھنا تعجب کی بات نہیں، اس واسطے کہ جب اللہ کا نام لے کر پڑھو گے، اس اللہ کا نام لے کر جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا، جس نے انسان کو جسے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ تو آپ پڑھیں، یعنی بصیرت کے ساتھ پڑھیں، اور یہ نہ سمجھیں کہ جب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو پڑھنے کا حکم دے رہے ہیں تو کسی ایسی بات کا حکم دے رہے ہیں جو آپ ﷺ کے بس میں نہیں ہے، ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تمہارا پروردگار بہت کریم ہے۔ وہ ایسا کریم ہے کہ وہ کسی کو ایسا کام کرنے کا حکم نہیں دیتا جس کو کرنے کی اس کے اندر صلاحیت نہ ہو، یا وہ اس کی

۱۵۲

طریقہ ایجاد کر لیتا کہ جس کے ذریعہ وہ اپنی بات دوسروں تک پہنچا سکتا، چاہے زبان کے ذریعہ ہو، یا قلم کے ذریعہ ہو۔

قلم کی اہمیت آج بھی ہے

بہر حال! اس قلم کو اللہ تعالیٰ نے جو علم کا ذریعہ بنایا، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے علم سکھانے کا یہ طریقہ دنیا کو عطا فرمادیا، ورنہ انسان کے بس میں یہ بات نہیں تھی۔ آج بھی تجربہ کر کے دیکھ لو، آج جبکہ مواصلات کے آلات کی اتنی کثرت ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ آج میں ایک نئی زبان ایجاد کرتا ہوں، جو تمام مروجہ زبانوں سے مختلف ہوگی اور اس کی تحریر کا نیا رسم الخط ایجاد کرتا ہوں، تجربہ کر کے دیکھ لے کہ اس کو کوئی قبول کرے گا یا نہیں؟ کوئی اگر ایجاد کرنا چاہے تو بھی نہیں کر سکتا، اس لئے کہ سارے انسانوں کو کسی زبان پر، کسی ایک رسم الخط پر متفق کر دینا، کسی انسان کے بس میں نہیں ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ تعلیم دی، اور سارے انسانوں کو اس پر متفق کر دیا کہ اس طرح لکھو، اور اس کا مطلب یہ سمجھو، اس لئے فرمایا: ”عَلَّمَ بِالْقَلَمِ“ انسان کو قلم کے ذریعہ تعلیم دی۔

ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے

اس کے ذریعہ اس طرف اشارہ فرمایا کہ کیا قلم کے ذریعہ جو تعلیم دی جا رہی ہے، کیا یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر ہو رہی ہے؟ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت

۱۵۳

طے کیا گیا ہو کہ الف اور ب کو اس طرح ملا کر لکھا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا، اور با کو تا کے ساتھ ملا کر لکھا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ اور کیا کوئی کانفرنس دنیا میں اس بات کے لئے بلائی گئی تھی، جس میں یہ بات طے کی گئی تھی کہ فلاں حرف فلاں آواز دے گا، اور فلاں لفظ کے یہ معنی ہوں گے۔ لہذا یہ کوئی معاہدہ عمرانی کے تحت یا کسی باہمی مفاہمت کے تحت یہ باتیں طے نہیں ہوئی تھیں، کوئی شخص یہ نہیں بتا سکتا کہ تاریخ میں کسی بھی زبان کی تحریر کے بارے میں کوئی عالمی معاہدہ ہوا ہو، یا لوگوں نے آپس میں بیٹھ کر یہ طے کیا ہو کہ فلاں لفظ کو اس طرح لکھا جائے گا اور اس کے معنی یہ ہوں گے۔

الفاظ کا علم حضرت آدم ؑ کو عطا فرمایا

بلکہ اس قلم کے ذریعہ مفہومات کو الفاظ کے سانچے میں ڈھالنا، اور الفاظ کو تحریر کی شکل میں لانا، اور اس تحریر کو انسانوں کے ذہن میں منتقل کرنا یہ سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کی تخلیق کے اور کس طرح ممکن نہیں۔ چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو پیدا فرمایا جو اس کائنات میں پہلے انسان تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام اسماء کا علم دیدیا، فرمایا:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (البقرة: ۳۱)

اور ان کو یہ بھی سکھایا کہ کسی لفظ کے کیا معنی ہوتے ہیں، اور انہی کو یہ بھی سکھایا کہ کس لفظ کو کس طرح لکھا جائے گا، اور اس کو کس طرح پڑھا جائے گا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، ورنہ انسان کے بس میں نہیں کہ وہ کوئی ایسا

۱۵۶

تعلیم نہیں دی، بلکہ انسان کو قلم کے بغیر وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔ جس کا اس کو علم نہیں تھا۔

بچے کو دودھ پینا کس نے سکھایا؟

اپنی پیدائش سے لے کر آج تک کی زندگی پر غور کر لو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ تمہیں تعلیم دے رہا ہے۔ بچہ آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ جب تک وہ ماں کے پیٹ میں تھا تو اس کے نال کے ساتھ ایک نلکی لگی ہوئی تھی، جس سے اس کو غذا پہنچتی تھی، اور اس بچہ کو وہاں اپنی غذا حاصل کرنے اور کھانے پینے کا علم حاصل نہیں تھا۔ لیکن وہ بچہ پیدا ہوا، اور ماں نے اس بچے کو چھاتی سے لگایا تو اس بچے نے چھاتی کو چوسنا شروع کر دیا، اور دودھ پینا شروع کر دیا، اس بچے کو کس نے سکھایا تھا، کہ اس چھاتی کو چوسنے سے دودھ نکلے گا؟ جبکہ وہ بچہ اس پوزیشن میں ہے کہ اگر آپ اس بچے کو یہ سکھانا چاہیں کہ تو اس چھاتی کو چوس تو تیرے منہ میں دودھ آئے گا، اور تیرا پیٹ بھر جائے گا، آپ اس کو یہ بات نہیں سکھا سکتے، لیکن اس بچے کو کس نے سکھایا کہ وہ ماں کی چھاتی کو اپنے منہ میں لے کر چوسے گا تو اسے غذا حاصل ہوگی؟ اور اس بچے کو کس نے سکھایا کہ جب تجھے بھوک لگے تو رونا شروع کر دینا اور تیرے رونے سے تیری ماں کو پتہ چل جائے گا کہ تجھے بھوک لگ رہی ہے، اور پھر تیری ماں تیرے منہ میں چھاتی دے کر تیری بھوک مٹائے گی۔

۱۵۵

کے بغیر ہو رہی ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی توفیق کے بغیر ہو رہی ہے؟ نہیں، ایسا ہو ہی نہیں سکتا، اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال نہ ہو تو قلم سے بھی کوئی تعلیم حاصل نہ ہوتی، تو جس اللہ نے انسان کی تعلیم کے لئے قلم کو ذریعہ بنایا وہی اللہ وحی کو آپ کی تعلیم کا ذریعہ بنادے، اور وحی کے ذریعہ آپ کو تعلیم حاصل ہو تو اس میں کیا بعد ہے، اور کیا تعجب ہے۔ لہذا وہ اللہ تعالیٰ جو ساری دنیا کو قلم کے ذریعہ تعلیم دے رہا ہے، وہ آپ کو بغیر قلم کے تعلیم دے گا، اور آپ کو وحی الہی کے ذریعہ علم حاصل ہوگا۔

جبرئیل امین ﷺ کے ذریعہ علم عطا کریں گے

اور یہ جبرئیل امین ﷺ آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہیں، یہ آپ ﷺ کے پاس ہمارا علم لے کر آئیں گے۔ ہمارے پیغامات لے کر آئیں گے، اور آئندہ آپ پڑھیں گے، اور پڑھ کر دوسروں کو سنائیں گے اور جو کچھ پڑھا ہے، اس کی تعلیم دوسروں کو دیں گے، اور ایسی تعلیم دیں گے کہ اس تعلیم کے آگے ساری دنیا کے علوم و معارف ہیچ درجہ ہیں۔ چنانچہ آگے فرمایا:

قلم کے بغیر بھی علم عطا کرتے ہیں

عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

ایک طرف تو یہ فرمایا کہ ہم نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی، لیکن ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ہماری تعلیم صرف قلم کے اندر منحصر نہیں، یعنی صرف قلم ہی کے ذریعہ ہم نے

بچے کو رونا کس نے سکھایا

جب تک وہ بچہ ماں کے پیٹ میں تھا، کیا اس بچے کو رونا آتا تھا؟ نہیں، ابھی چند لمحوں پہلے وہ بچہ ماں کے پیٹ میں تھا، نہ اس کو رونا آتا تھا، نہ ہنسا آتا تھا، اور نہ دودھ پینا آتا تھا، لیکن ماں کے پیٹ سے باہر آتے ہی اس بچے کو کس نے سکھا دیا کہ تجھے اس طرح دودھ پینا ہے، اور اس طرح تجھے رونا ہے، تاکہ تو اپنی ماں کو اپنی طرف متوجہ کر سکے، اس لئے اس آیت میں فرمایا کہ ”عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝“ کہ وہ بچہ جو نہیں جانتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کے دل میں یہ علم پیدا کر دیا کہ یہ طریقہ ہے بھوک مٹانے کا، جبکہ وہ یہ بھی نہیں پہنچاتا تھا کہ کون میری ماں ہے، اور کون میرا باپ ہے، کون میرا بھائی ہے، اس وقت اس کے اندر کوئی تمیز نہیں تھی، وہ پوری طرح دیکھ بھی نہیں سکتا تھا اور دیکھ کر پہچان بھی نہیں سکتا تھا۔۔۔ جوں جوں وقت گزرتا ہے، اس کی آنکھیں ٹھیرنے لگتی ہیں، آنکھیں ٹھیرنے کے نتیجے میں وہ ماں کو پہچاننے لگتا ہے، باپ کو پہچاننے لگتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم ہے۔ کوئی شخص یہ چاہے کہ اس بچے کو کوئی بات سکھا دے، یہ بات ناممکن ہے، کسی کے بس میں یہ بات نہیں کہ وہ اس بچے کو کچھ سکھا سکے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کے دل میں یہ باتیں ڈالتا ہے، اسی کو فرمایا کہ: ”عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝“ یہاں قلم بھی نہیں، کتاب بھی نہیں، معلم بھی نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اس کو علم سکھا رہا ہے۔

تعلیم قلم کے اندر منحصر نہیں

اور جوں جوں اس بچے کی عمر بڑھتی ہے، اس کی معلومات کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جاتا ہے، اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ معلومات کا دائرہ کہاں سے وسیع ہو رہا ہے؟ کون ہے جو اسے سکھا رہا ہے؟ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ ہماری تعلیم قلم ہی کے اندر منحصر نہیں ہے، بلکہ جو کچھ علم انسان کو ملا ہے، جس طرح بھی ملا ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ہے، چاہے قلم کے ذریعہ ہو، چاہے بغیر قلم کے ہو، جیسا کہ ایک جگہ قرآن کریم میں فرمایا:

وَأَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ۝ (طہ: ۵۰)

یعنی ہر چیز کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر یہ ہدایت رکھ دی ہے کہ کس چیز کو کس طرح استعمال کرے، اللہ تعالیٰ ہی یہ علم اور ہدایت عطا فرماتے ہیں۔

آپ کو معلم بنادے گا

لہذا یہ مت سمجھو کہ جس کو بھی جو علم حاصل ہو رہا ہے وہ قلم اور کتاب ہی کے ذریعہ حاصل ہو رہا ہے، آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے امی بنایا ہے، لیکن جو اللہ انسان کو ہر بات کی تعلیم دیتا ہے، وہ آپ ﷺ کو بھی تعلیم دے گا، اور نہ صرف آپ ﷺ کو تعلیم دے گا، بلکہ آپ ﷺ کو معلم عالم بنائے گا، اور آپ ﷺ کو ایسا علم عطا فرمائیں گے کہ ساری دنیا کے علوم و معارف اس کے آگے

فریضہ یہ ہے کہ وہ کچھ پڑھے، یعنی علم حاصل کرے، اس بات کا علم حاصل کرے کہ میں کیوں اس دنیا میں لایا گیا ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے کیوں پیدا فرمایا ہے؟ کیا میری زندگی کے مقاصد کیا ہیں؟ کیا چیز اس میں اچھی ہے؟ کیا چیز بری ہے؟ کیا حلال ہے کیا حرام ہے؟ یہ سیکھنا ہر مسلمان کے ذمے فرض عین ہے۔ یہ سبق ہمیں ان آیات کریمہ سے مل رہا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے اس حکم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین ○



سر جھکائیں گے۔

آپ ﷺ ہدایت کا سبب بن گئے

بہر حال! یہ پانچ آیتیں ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نبی کریم ﷺ پر نازل فرمائیں، ان آیات میں یہ پیغام دیدیا کہ آپ ﷺ کا فریضہ جس کے لئے ہم آپ ﷺ کو تیار کر رہے ہیں، وہ یہ کہ چاہے آپ ﷺ پہلے سے پڑھے ہوئے نہ ہوں، لیکن اب آپ پڑھیں گے، لوگوں کے سامنے وہ بات پڑھیں گے جو ہم آپ ﷺ کو عطا کریں گے، اور اس کو آپ ﷺ دنیا تک پہنچائیں گے۔ اس کی تشریح فرمائیں گے، اور اس کے نتیجے میں آپ ﷺ دنیا میں ہدایت کا سبب بنیں گے۔ یہ پانچ آیتیں تمہید کے طور پر حضور اقدس ﷺ پر نازل فرمادیں، اور اس کے ذریعہ آپ ﷺ کو رسالت کا منصب عطا فرمایا اور پھر اس کے بعد وحی کا سلسلہ آگے شروع ہوا۔

ایمان کے بعد پہلا فریضہ علم حاصل کرنا ہے

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کی بدولت ہم آج یہاں مسلمان بیٹھے ہیں، اور اس میں ہمیں یہ سبق مل رہا ہے کہ جب سب سے پہلی وحی نازل ہوئی، اس میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ نماز پڑھو، یہ نہیں فرمایا گیا روزہ رکھو، یہ نہیں فرمایا گیا کہ حج کرو، سب سے پہلی بات جو فرمائی گئی وہ یہ تھی کہ ”اقْرَأْ“ پڑھو، اس کے ذریعہ پیغام یہ دیا گیا کہ انسان کے ذمہ ایمان لانے کے بعد سب سے پہلا



علم سیکھنا فرضِ عین ہے

(تفسیر سورۃ العلق)

3

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی



میمن اسلامک پبلشرز

۱۶۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

علم سیکھنا فرض عین ہے

تفسیر سورۃ العلق

3

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ. وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ
سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
يُضِلِّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ. وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ. وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا
وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ، صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ
وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ
الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝
الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ

۱۶۴

يَعْلَمُ ۝ (سورۃ العلق: ۱ تا ۵)

أَمَنْتُ بِاللَّهِ صَدَقَ اللَّهُ مَوْلَانَا الْعَظِيمُ، وَصَدَقَ
رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ، وَنَحْنُ عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ
وَالشَّاكِرِينَ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز، یہ سورۃ علق کی پہلی پانچ آیتیں ہیں۔
جن کی میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، گزشتہ بیانات میں اس
سورت کے نزول کا واقعہ بیان کر چکا ہوں۔ یہ سب سے پہلی آیات ہیں جو نبی
کریم ﷺ پر نازل ہوئیں، اور جو حضرت جبریل امین ﷺ ماغرا میں آپ کے
پاس لے کر تشریف لائے۔ اس کا مفصل واقعہ الحمد للہ پہلے بیان ہو چکا ہے، اس
کے اعادے کی ضرورت نہیں، اب ان پانچ آیتوں کو تھوڑی سی وضاحت کے
ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝

”اقْرَأْ“ کے معنی ہیں ”پڑھو“ اور یہ خطاب نبی کریم ﷺ کو تھا کہ
آپ ﷺ پڑھئے، اور چونکہ نبی کریم ﷺ امی تھے، اس لئے آپ ﷺ
نے یہ جواب دیا کہ ”مَا أَنَا بِقَارٍ“ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ میں کیسے
پڑھوں؟ تین مرتبہ یہ سوال جواب ہوئے، اس کے بعد فرمایا گیا کہ اپنے

۱۶۵

پروردگار کے نام سے پڑھو، جس نے پیدا کیا ہے۔

سب سے پہلا فریضہ علم حاصل کرنا

یہاں پہلی بات جو قابلِ توجہ ہے، وہ یہ ہے کہ یہ پہلی وحی ہے جو نازل ہو رہی ہے، اور یہ پہلا حکم ہے جو دیا جا رہا ہے، دین کے سارے احکام بعد میں آئے، لیکن یہ حکم سب سے پہلے آیا کہ ”پڑھو“۔ اس میں ہمارے لئے یہ سبق ہے کہ ہر انسان کی سب سے پہلی ذمہ داری، اور اس کا سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ وہ پڑھے، یعنی علم حاصل کرے، اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں یوں ارشاد فرمایا کہ:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ

کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان کے ذمے فرض ہے، اور ”فريضة“ کا لفظ لائے، یعنی جس طرح نماز پڑھنا فرض ہے، روزہ فرض ہے، زکوٰۃ فرض ہے، قابلِ استطاعت لوگوں پر حج فرض ہے، اسی طرح علم حاصل کرنا بھی ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ یہ بھی اتنا ہی بڑا فریضہ ہے، جتنا نماز روزہ کا فریضہ ہے۔

تمام علوم حاصل کرنا فرض نہیں

لیکن یہاں یہ سمجھنا چاہئے کہ علم تو ایک ناپید کنار سمندر ہے۔ اس کی بے شمار شاخیں ہیں، اور بہت وسعت والی چیز ہے، تو کیا سارے علوم حاصل کرنا، اور علم کی جتنی شاخیں ہیں، وہ ساری حاصل کرنا ہر مسلمان کے ذمے فرض ہے؟ ظاہر

۱۶۶

ہے کہ اگر ان سب کو فرض کہہ دیا جائے تو پھر تو کوئی بھی شخص اس فریضہ کو ادا کرنے کے قابل نہیں ہو سکتا، کیونکہ دنیا میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے، اور نہ ہو سکتا ہے جو تمام علوم کو حاصل کئے ہوئے ہو، اور تمام علوم کا جامع ہو، کوئی انسان نہ تو اس کا دعویٰ کر سکتا ہے، اور نہ کسی انسان کے لئے یہ بات ممکن ہے۔

علم کی مختلف شاخیں

علم کی بے شمار شاخیں ہیں اور روز بروز نئی نئی شاخیں وجود میں آرہی ہیں، اور کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں ان سارے علوم کا جاننے والا ہوں، مثلاً کوئی شخص ڈاکٹری کا علم حاصل کرتا ہے تو وہ ڈاکٹر بن جاتا ہے، تو اسے انجینئرنگ نہیں آتی، کوئی انجینئر بن جاتا ہے تو اسے ڈاکٹری نہیں آتی، کوئی قانون داں بن جاتا ہے تو اسے نہ ڈاکٹری آتی ہے، نہ انجینئرنگ آتی ہے، غرض علم کی اتنی مختلف شاخیں ہیں کہ ان سب کو اکٹھا کرنا کسی کے لئے ممکن نہیں۔

شریعت کے احکام کا علم فرضِ عین ہے

لہذا وہ علم جسے ہر انسان کے لئے فرضِ عین قرار دیا ہے، یہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ انسان کو اتنی معلومات حاصل ہو جائیں کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گزار سکے۔ اپنی زندگی میں اسے یہ پتہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کیا چیز فرض کی ہے؟ اور کن چیزوں سے مجھے روکا ہے؟ اس کی معلومات حاصل کرنا اس کے ذمے فرضِ عین ہے، مثلاً ہر مسلمان کو یہ تو پتہ ہے کہ نماز فرض

۱۶۸

تجارت کے سارے احکام معلوم کرے، لیکن اگر وہ تاجر ہے، اور دکان کھول کر بیٹھا ہے تو اس کے ذمے واجب ہے کہ وہ یہ جانے کہ کوئی تجارت حلال ہے؟ کوئی تجارت حرام ہے؟ مثلاً اس کو پتہ ہونا چاہئے کہ شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ جب تم کسی کو کوئی چیز بیچو، تو دوسرے شخص کو اس چیز کی کیفیت بتادو، اگر اس چیز کے اندر کوئی عیب ہے تو اس عیب کو ظاہر کر دو۔ اس کو بتادو، ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کوئی عیب دار چیز بیچے، اور خریدار کو یہ نہ بتائے کہ اس میں فلاں عیب ہے، اور وہ شخص ناواقفیت میں خرید لے تو ایسے شخص کے بارے میں فرمایا کہ:

لَمْ يَزَلْ فِي مَقْتِ اللَّهِ

یعنی وہ شخص مسلسل اللہ کے غضب میں رہے گا، اور بعض روایتوں میں ہے کہ ملائکہ اس پر نعتیں بھیجیں گے۔ یہ شریعت کا حکم ہے، لہذا جو شخص تجارت کر رہا ہے، اس کے لئے اس حکم کا جاننا فرض ہے۔

تاجر کیلئے یہ حرام ہے

اسی طرح بتائے بغیر ملاوٹ کرنا حرام ہے، ہاں اگر خریدنے والے کو بتادے کہ اس میں فلاں چیز کی ملاوٹ ہے تو پھر فروخت کرنا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن بتائے بغیر ملاوٹ کرنا، دھوکہ دینا، جھوٹ بولنا، مثلاً یہ کہنا کہ بازار میں یہ چیز اتنے کی مل رہی ہے، میں تمہیں اتنے کی دے رہا ہوں، اور اس بات کو بیان کرنے میں جھوٹ بولے تو یہ حرام ہے۔ اس طرح شریعت

۱۶۷

ہے، روزہ فرض ہے، لیکن اس نماز کو کیسے پڑھا جائے، اس کے کیا طریقے ہیں؟ ان میں کتنے فرض ہیں؟ کتنے واجبات ہیں؟ کتنی سنتیں ہیں؟ اس کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان کے ذمے فرض عین ہے۔

تاجر پر یہ علم فرض عین ہے

اسی طرح آدمی جس شعبہ زندگی سے وابستہ ہو، اس شعبہ زندگی سے متعلق جو فرائض و واجبات یا حلال و حرام کے احکام ہیں، اس کو جاننا ضروری ہے۔ مثلاً ایک شخص تجارت کرتا ہے تو اس کے ذمے یہ جاننا ضروری ہے کہ تجارت کا کونسا طریقہ جائز ہے، کونسا طریقہ ناجائز ہے، کونسا حلال ہے کونسا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو ایسا پیشہ قرار دیا ہے، جس کے اوپر بڑی فضیلتیں ہیں، قرآن کریم میں اس کو اللہ کا فضل تلاش کرنے سے تعبیر فرمایا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے کچھ احکام دیے ہیں، اب کوئی خرید و فروخت جائز ہے؟ کوئی حرام ہے؟ اور خرید و فروخت کے لئے کیا کیا لازمی شرائط ہیں؟ یہ ساری باتیں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ ہم تک پہنچا دیں، ان باتوں کا علم حاصل کرنا تاجر کے لئے ضروری ہے۔

تاجر کو یہ باتیں معلوم ہونی چاہئیں

اگر کوئی شخص تجارت نہیں کرتا، اور تجارت اس کا پیشہ نہیں ہے، مثلاً وہ ملازمت کرتا ہے، یا کھیتی باڑی کرتا ہے، اس کے ذمے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ

وقت بیچ دیا ہے، مثلاً فرض کرو کہ آٹھ گھنٹہ کی وہ ملازمت کرتا ہے، گویا کہ اس نے وہ آٹھ گھنٹے اس تنخواہ کے عوض بیچ دیے ہیں، جو تنخواہ مہینے کے آخر میں اس کو ملنے والی ہے۔ اب شرعاً اس کے ذمے فرض ہے کہ وہ پورے آٹھ گھنٹے اس کام میں لگائے، اب اگر وہ اس وقت میں کمی کرے گا، مثلاً ملازمت تو اس کی آٹھ گھنٹے کی ہے لیکن وہ دو گھنٹے یا تین گھنٹے تاخیر سے پہنچ رہا ہے، یا وقت ختم ہونے سے پہلے دفتر سے چلا جاتا ہے، پورا وقت دفتر میں نہیں دیتا تو اس کا یہ عمل حرام ہے، یہ ایسا ہی حرام ہے جیسے کوئی شخص ناپ تول میں کمی کرے، جیسے مثلاً کسی نے ایک سیر کوئی چیز فروخت کی، لیکن خریدار کو ایک سیر سے کم حوالے کی، اس کا یہ عمل جس طرح حرام ہے، اسی طرح ملازمت کرنے والے کے لئے ایسا کرنا حرام ہے کہ وہ وقت تو پورا نہ دے، اور تنخواہ پوری وصول کرے، اور جتنے وقت کی اس نے کمی کی ہے، اس کے عوض تنخواہ کا جتنا حصہ اس کو ملا ہے، وہ حصہ حرام ہے، ایک ملازم کے لئے اس مسئلہ کو جاننا اور اس کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔

اتنے وقت کی تنخواہ مت لو

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ یہ فکر عطا فرماتے ہیں کہ ان کی آمدنی بالکل حلال ہو، اور اس آمدنی میں حرام شامل نہ ہو، وہ اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ اگر بالفرض ملازمت کے اوقات کے دوران کوئی ذاتی کام پیش آگیا، اس وقت کو اپنے ذاتی کام میں لگانا پڑا تو وہ اتنے وقت کی تنخواہ کٹوا دیتے ہیں۔ ہمارے بہت سے بزرگوں کے واقعات میں یہ منقول ہے کہ وہ مثلاً کسی مدرسہ میں استاذ

نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ جو چیز تم نے خریدی ہے، جب تک وہ چیز تمہارے قبضہ میں نہ آجائے اس کو آگے فروخت کرنا جائز نہیں، اب اگر تم نے قبضہ کرنے سے پہلے آگے فروخت کر دی۔ تو یہ ناجائز کام ہوا، اور گناہ ہوا، یہ باتیں جو تجارت سے متعلق ہیں، اس کا اسے علم ہونا چاہئے، یہ اس کے ذمے فرض ہے، اس علم کو حاصل کئے بغیر اس کے لئے تجارت کرنا جائز نہیں۔

علماء سے پوچھ کر یہ علم حاصل کرے

اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ علماء کرام نے ہر شعبہ زندگی سے متعلق جو ضروری معلومات ہیں، وہ کتابوں میں جمع کر دی ہیں۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کو جانے اور اس کا علم حاصل کرے۔ اس کے لئے کسی مدرسہ میں داخلہ لینا ضروری نہیں۔ لیکن کتابوں کے ذریعہ اور علماء کرام سے پوچھ پوچھ کر اس کا علم حاصل کرنا انسان کے ذمے فرض عین ہے، چاہے وہ انسان کسی بھی شعبہ زندگی سے وابستہ ہو، مثلاً اگر کوئی شخص کھیتی باڑی کرتا ہے تو کھیتی باڑی سے متعلق بھی کچھ احکام اللہ تعالیٰ نے دیے ہیں۔ ان احکام کو جاننا اس کے لئے ضروری ہے۔

ملازم کیلئے شریعت کا حکم

اگر کوئی شخص ملازمت کرتا ہے تو ملازمت سے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ احکام عطا فرمائے ہیں۔ مثلاً شریعت کا یہ حکم جس کا آج کل لوگ بالکل لحاظ نہیں کرتے، وہ یہ کہ جب کوئی شخص کسی جگہ پر ملازمت کرتا ہے تو اس شخص نے اپنا

۱۷۲

دیدیتے ہیں، حقیقت میں وہ بیمار نہیں ہیں۔ لیکن کسی ڈاکٹر سے سرٹیفکیٹ بنوا لیا کہ یہ بیمار ہے اور اس کی بنیاد پر چھٹی کی درخواست دیدی، اور چھٹی منظور کرائی تو یہ گناہ درگناہ ہے۔ ایک طرف تو جھوٹ بولا۔ اس لئے کہ بیمار نہیں تھے، پھر بھی بیمار ہونے کی درخواست دی، دوسری طرف وہ چھٹی حقیقت میں جائز نہ ہوئی، اور جب چھٹی جائز نہ ہوئی تو ان ایام کی تنخواہ حرام ہوگئی۔ پھر جس ڈاکٹر کے پاس جا کر سرٹیفکیٹ بنوایا جائے گا، وہ ڈاکٹر ویسے تو جھوٹا سرٹیفکیٹ نہیں دے گا، بلکہ اس پر اپنا مفاد اور رشوت لیگا، تو رشوت دینے کا الگ گناہ ہوا۔ لہذا یہ عمل گناہ درگناہ درگناہ ہے، اور چونکہ لوگوں کو اس کا احساس نہیں ہے، اس لئے لوگ اس کے اندر مبتلا ہیں، تنخواہیں حرام ہو رہی ہیں، گناہوں کے انبار لگ رہے ہیں، اور انسان کو پرواہ بھی نہیں ہے کہ میں کتنے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کر رہا ہوں۔

یہ سب حرام خوری کا وبال ہے

یہ جو ہمارے چاروں طرف آگ بھڑکی ہوئی ہے، ہر جگہ بدامنی کی فضا ہے، کوئی بھی شخص اطمینان سے اور چین و سکون سے نہیں ہے، یہ سب بلا وجہ تو نہیں ہے، یہ حرام خوری جو ہمارے معاشرے کے اندر اس طرح رچ بس گئی ہے کہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ قہر ہے جو ہمارے اوپر مسلط ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس قہر کو دور فرما دے۔ آمین۔ یہ سب اس لئے ہے کہ

۱۷۱

ہیں، اور درس کے وقت میں ان کے پاس کوئی مہمان ملنے کے لئے آگیا، اور دس پندرہ منٹ اس کے ساتھ گفتگو کرنے میں صرف ہو گئے تو اس کو لکھ کر رکھ لیتے کہ فلاں دن فلاں تاریخ کو میں نے پندرہ منٹ مہمان کے ساتھ گفتگو کرنے میں صرف کئے ہیں۔ اور جب مہینے کے آخر میں تنخواہ ملنے کا وقت آتا تو باقاعدہ دفتر میں درخواست لکھ کر بھجواتے کہ کہ میری تنخواہ سے اتنے پیسے کاٹ لئے جائیں، کیونکہ اتنا وقت میں نے اپنے مفوضہ فرائض میں استعمال نہیں کیا، بلکہ اپنے ذاتی کام میں استعمال کیا، ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے۔

تنخواہ میں سے کٹوتی

الحمد للہ! ہمارے ہاں جامعہ دارالعلوم کراچی میں بھی یہ طریقہ موجود ہے کہ جب کوئی استاذ کلاس میں آتا ہے تو اپنی آمد کا وقت رجسٹر میں لکھ دیتا ہے، اور پھر جب مہینے کے ختم پر تنخواہ ملتی ہے تو جتنی تاخیر سے وہ کلاس میں آتا ہے۔ اس کے حساب سے اس کی تنخواہ میں سے خود بخود کٹوتی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اگر وقت تو پورا نہیں دیا، اور کلاس میں تاخیر سے پہنچے یا اس وقت کو اپنے کسی ذاتی کام میں استعمال کر لیا اور تنخواہ پوری وصول کر لی تو یہ تنخواہ اس کے لئے حرام ہے۔

جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ

بعض اوقات لوگ غلط میڈیکل سرٹیفکیٹ دے کر چھٹی کی درخواست

۱۷۴

کہا کہ محکمہ کی طرف سے تو اس کی اجازت نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ جب محکمہ کی طرف سے اس کی اجازت نہیں ہے، پھر بھی تم محکمہ سے پیسے وصول کر رہے ہو، اور دوسرے لوگوں کو دے رہے ہو، یہ حرام کام کر رہے ہو، حرام روپیہ وصول کیا اور وہ حرام روپیہ دوسرے کو دیا۔ خود بھی گناہ میں مبتلا ہوئے، اور دوسروں کو بھی حرام کھلایا، اب آج لوگ یہ سمجھتے ہی نہیں کہ یہ کوئی گناہ کا کام ہے، یا یہ کوئی بد عملی ہے، اس لئے کہ اس کا علم نہیں، اس بات کو کبھی سوچا ہی نہیں، حلال و حرام کی فکر نہیں، کیا کام میں حلال کر رہا ہوں، کیا کام حرام کر رہا ہوں۔ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ اس لئے کہ دین کا جو ضروری علم ہے اس کو حاصل کئے بغیر غفلت کے عالم میں جو سمجھ میں آتا ہے، کر گزرتے ہیں۔ نہ حلال کی فکر ہے، نہ حرام کی فکر ہے۔ بہر حال! اتنا علم حاصل کرنا جس کے ذریعہ انسان اپنے فرائض بجالا سکے، اور گناہوں سے بچ سکے، حرام کام سے بچ سکے، حرام آمدنی سے بچ سکے، حرام رزق سے بچ سکے، اتنا علم حاصل کرنا، ہر انسان کے ذمہ فرض عین ہے، یہ مطلب ہے نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا کہ ”طلب العلم فريضة على كل مسلم“، علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ڈاکٹروں کو یہ جاننا ضروری ہے

مثلاً ایک آدمی ڈاکٹر ہے، اب ڈاکٹر کے دینی فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ وہ یہ سوچے کہ اس پیشے سے متعلق شریعت نے کیا احکام دئے ہیں؟

۱۷۳

جس شعبہ زندگی سے انسان وابستہ ہے، اس شعبہ زندگی سے متعلق جو شرعی احکام ہیں، ان کا علم نہیں اور ان کا پتہ نہیں ہے۔

بظاہر اچھا کام کر رہے تھے

ایک صاحب ایک مرتبہ مجھ سے کہنے لگے کہ مجھے اپنے محکمہ میں یہ سہولت حاصل ہے کہ میں اگر بیمار ہوں، یا میرے گھر والے بیمار ہو جائیں اور میں دوائیں خریدوں تو اس کا بل اپنے محکمہ میں جمع کر دیتا ہوں تو اس کے پیسے مجھے محکمہ سے مل جاتے ہیں، میں یہ کرتا ہوں کہ میرے جتنے عزیز واقارب، رشتہ دار ہیں اور دوست احباب ہیں ان سے کہہ دیا ہے کہ جب تم دوائیاں خریدو تو اس کا بل مجھے دے دیا کرو، میں اس بل کے پیسے وصول کر کے تمہیں دیدیا کروں گا، اور اس طرح میں ان کی مدد کرتا رہتا ہوں۔ یہ بات وہ بڑے فخریہ انداز سے اپنی ایک نیکی کے طور پر بیان کر رہے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اس طرح میں رشتہ داروں کا حق ادا کر رہا ہوں، اور اپنے دوستوں کے ساتھ خیر خواہی کر رہا ہوں۔

یہ حرام کام کر رہے ہو

میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کے محکمہ نے آپ کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ آپ خود تو علاج نہ کرائیں، لیکن آپ کا کوئی رشتہ دار، یا عزیز، یا دوست بھی علاج کرائے تو اس کا خرچہ بھی وہ محکمہ برداشت کرے، انہوں نے

۱۷۶

ساتھ بیٹھنے والا بھی پڑوسی ہے

ایک پڑوسی تو وہ ہوتا ہے جس کا گھر آپ سے ملا ہوا ہے، جو ہمیشہ ساتھ رہتا ہے، اور دوسرا پڑوسی ہوتا ہے عارضی اور وقتی، جس کو قرآن کریم نے ”صاحب بالجنب“ سے تعبیر فرمایا ہے، مثلاً آپ بس میں سفر کر رہے ہیں، آپ کی برابر والی سیٹ پر جو شخص بیٹھا ہے، وہ آپ کا صاحب بالجنب ہے۔ اسی طرح مسجد میں آپ بیٹھے ہیں۔ آپ کے برابر جو بیٹھا ہے، وہ آپ کا صاحب بالجنب ہے، یا ہوائی جہاز میں ریل گاڑی میں آپ سفر کر رہے ہیں، آپ کے پڑوس میں جو بیٹھا ہے، وہ آپ کا صاحب بالجنب ہے۔ اس کے بھی حقوق ہیں، قرآن کریم نے فرمایا کہ ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کرو۔

مشترکہ جگہ پر سب کا برابر حق ہے

یا مثلاً ایک مشترکہ جگہ ہے، اس مشترکہ جگہ میں سب لوگوں کا حق ہے، اب اس جگہ میں اس طرح پھیل کر بیٹھ گئے، یا لیٹ گئے، اور کئی افراد کی جگہ گھیر لی، اور دوسروں کو جگہ نہیں ملی، ان کو کھڑا ہونا پڑا، آج کل اس کو بڑی ذہانت سمجھا جاتا ہے، فخریہ انداز میں بیان کیا جاتا ہے کہ ہم ریل میں سفر کر رہے تھے، اور ہم نے پہلے ہی جا کر اپنا بستر بچھا لیا، اور اپنے لیٹنے کا انتظام کر لیا۔ اس کی پرواہ نہیں کی کہ دوسرے لوگ جو سوار ہوں گے، ان کو کھڑے ہو کر سفر کرنا پڑے گا، یہ صاحب بالجنب کا حق تھا، جو آپ نے غصب کر لیا، کیونکہ جس

۱۷۵

بعض دوائیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے اندر ایسی چیزوں کی آمیزش ہوتی ہے، جو یا تو ناپاک ہوتی ہیں، یا حرام ہوتی ہیں، ایسی دواؤں کا استعمال کس وقت جائز ہے؟ اور کس وقت جائز نہیں؟ اس بات کا علم حاصل کرنا اس کے ذمہ ضروری ہے، غرض یہ کہ جس شعبہ زندگی سے انسان وابستہ ہے، اس شعبہ سے متعلق شریعت کے جو احکام ہیں۔ ان کا جاننا ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہے۔

پڑوسیوں کے حقوق جاننا ضروری ہے

اس طرح جب آدمی کسی جگہ پر رہتا ہے، تو اس کے آس پاس دوسرے لوگ بھی رہتے ہیں جو پڑوسی کہلاتے ہیں۔ ان پڑوسیوں کے کیا حقوق شریعت نے مقرر کئے ہیں؟ اور دوسروں کے ساتھ زندگی گزارنے کے اللہ تعالیٰ نے کیا آداب عطا فرمائے ہیں؟ ان سب کو جاننا اور ان کا علم حاصل کرنا انسان کے ذمہ ضروری ہے۔ مثلاً ایک آدمی ایک محلے میں رہتا ہے، اس کے پڑوسی بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے پڑوسیوں کے بڑے حقوق رکھے ہیں، اور ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبریل امین ﷺ میرے پاس پڑوسیوں کے حقوق کے اتنے احکام لاتے رہے کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ کہیں یہ حکم نہ آجائے کہ ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کے ترکہ میں وارث بھی ہوگا۔ لہذا کسی پڑوسی کو آپ کی ذات سے کوئی تکلیف نہ پہنچے، اور پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ یہ ساری باتیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائیں۔



طرح آپ کو بیٹھنے کا حق تھا، دوسرا شخص بھی بیٹھنے کا حق دار تھا۔ لیکن آپ نے اس کا حق مار کر اپنے لئے راحت و آرام کا سامان پیدا کر لیا۔ دوسرے کو کھڑے ہونے کی تکلیف میں مبتلا کر دیا۔ ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں۔ اور اس کا علم حاصل کرنا شرعاً ضروری ہے۔

اپنے شعبہ سے متعلق علم سیکھنا فرض ہے

یہ اس لئے کہ شریعت کے جو ضروری احکام ہیں، اور جس شعبہ زندگی سے انسان وابستہ ہے، اس کے احکام سے ناواقفیت ہے، اور اگر کسی کو واقفیت ہے تو اس پر عمل کرنے کی طرف توجہ اور اہتمام نہیں، یہ فکر نہیں کہ میں یہ کام حلال کر رہا ہوں یا حرام کر رہا ہوں، اس لئے سب سے پہلا فریضہ یہ عائد کیا گیا کہ پڑھو، یہ لفظ پڑھو ہے تو چھوٹا سا، لیکن اگر اس کے مفہوم میں ذرا غور کریں تو ساری زندگی کے احکام اور آداب اس کے اندر آ جاتے ہیں۔ اس لئے سب سے پہلی وحی جو نازل ہوئی وہ ”اقْرَأْ“ کے لفظ سے شروع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کا احساس عطا فرمائے، اور جو علم ضروری ہے اس کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین ○





انسان اللہ کی قدرت کا مظہر ہے

(تفسیر سورۃ العلق)

4

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی



میمن اسلامک پبلشرز

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

انسان اللہ کی قدرت کا مظہر ہے

تفسیر سورۃ العلق

4

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ
سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
يُضِلِّهِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا
وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ، صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ
وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ *

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ *

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ
مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي

عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝
(سورۃ العلق: ۵۳۱)

آمَنْتُ بِاللَّهِ صَدَقَ اللَّهُ مَوْلَانَا الْعَظِيمُ، وَصَدَقَ
رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ، وَنَحْنُ عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ
وَالشَّاكِرِينَ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز، یہ سورۃ علق وہ ابتدائی آیات ہیں جو نبی
کریم ﷺ پر سب سے پہلے نازل ہوئی تھیں۔ ان کا بیان چند ہفتوں سے چل
رہا ہے، ان آیات کے نزول کا واقعہ پہلے بیان کر چکا ہوں کہ غار حرا میں حضرت
جبریل امین ؑ سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، اور آپ ﷺ
سے کہا کہ پڑھئے۔ اور پھر یہ پانچ آیتیں سب سے پہلے لے کر آئے۔

”علم کا حصول“ پہلا فریضہ

اس سلسلے میں جو بات گزشتہ بیان میں چل رہی تھی وہ یہ ہے کہ ”اِقْرَأْ“
کا جو یہ حکم ہے، جس کے معنی ہیں ”پڑھو“ یہ سب سے پہلا حکم ہے جو نبی کریم
ﷺ پر نازل ہوا، اور یہ پہلی ہدایت ہے جو سرکارِ دو عالم ﷺ کو دی جا رہی
ہے، اس موقع پر یہ حکم نہیں دیا کہ نماز پڑھو، نہ یہ حکم دیا کہ روزہ رکھو، نہ یہ حکم دیا
کہ زکوٰۃ دو، نہ یہ حکم دیا کہ حج کرو، بلکہ پہلا حکم یہ دیا کہ پڑھو، اس سے یہ بات

۱۸۲

دوسرے علوم فرض کفایہ ہیں

اسی طرح دنیا کے جو دوسرے علوم ہیں۔ چاہے طب کا علم ہو، یا انجینئرنگ کا علم ہو یا اور شعبہ ہائے زندگی کا علم ہو، وہ بھی ہر ایک کے ذمہ فرض نہیں، البتہ وہ بھی فرض کفایہ ہیں۔ فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر معاشرے میں کچھ لوگ اس کا علم حاصل کر لیں تو باقی لوگوں کی طرف سے وہ فریضہ ادا ہو جائے گا، لیکن کوئی شخص بھی وہ علم حاصل نہ کرے تو سب گناہ گار ہونگے۔ مثلاً کپڑے سینے کا علم، کھانا پکانے کا علم، بیماریوں کے علاج کا علم، یہ سب علوم فرض کفایہ ہیں۔ اگر پورے معاشرے کوئی آدمی بھی ایسا نہ ہو جو طب کو جانتا ہو اور لوگوں کی بیماریوں کا علاج کر سکتا ہو، تو پورا معاشرہ گناہ گار ہوگا، کم از کم ایک فرد ایسا ہونا چاہئے جو بیماریوں کا علاج کر سکے۔ یا مثلاً معاشرے میں کوئی شخص بھی عالم دین نہ ہو، اور دین کے تمام احکام کا علم نہ رکھتا ہو۔ تو پورا معاشرہ گناہ گار ہوگا، اس لئے کہ کم از کم ایک آدمی ایسا ہونا چاہئے جو لوگوں کو دین کی تفصیلی معلومات فراہم کر سکے۔ بہر حال! سب سے پہلا حکم جو نبی کریم ﷺ کو دیا گیا وہ یہ تھا ”اِقْرَأْ“ پڑھو، یعنی علم حاصل کرو۔

اپنے پروردگار کا نام لیکر پڑھو

آگے فرمایا:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝

۱۸۳

معلوم ہوئی کہ انسان کی تکلیفی زندگی کا سب سے پہلا فریضہ ”علم کا حصول“ ہے کہ وہ علم حاصل کرے، اور پڑھے، اور اسی سلسلے میں میں نے آخری بیان میں عرض کیا تھا کہ علم کا اتنا حصہ جو انسان کو اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق گزارنے کے لئے ضروری ہے، اتنا علم حاصل کرنا ہر مسلمان کے ذمہ فرض عین ہے، وہ جس شعبہ زندگی سے تعلق رکھتا ہو، اس کو اپنی ضروریات کے مطابق جتنی معلومات حاصل کرنی ضروری ہیں، ان کا حاصل کرنا فرض ہے۔ جیسے اگر کوئی تاجر ہے اور وہ تجارت کر رہا ہے تو اس کے ذمہ یہ فرض عین ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ تجارت کا کونسا طریقہ جائز ہے، اور کونسا ناجائز ہے؟ کونسا حلال ہے؟ کونسا حرام ہے؟ کوئی آدمی ملازم ہے تو اس کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ کونسی ملازمت حلال ہے، کونسی حرام ہے، اور ملازم ہونے کی حیثیت میں اس کے ذمہ شریعت کی طرف سے کون سے فرائض عائد ہوتے ہیں؟ اتنا علم حاصل کرنا ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہے۔ جس کے بارے میں حدیث شریف میں فرمایا:

طلب العلم فریضة علی کل مسلم

عبادات کا علم فرض عین ہے

اس کے بعد دوسرے علوم میں یہ تفصیل ہے کہ ہر شخص کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ وہ پورا عالم بنے، لیکن اتنی بات اس کو معلوم ہونی چاہئے کہ نماز کیسے پڑھی جاتی ہے، زورہ کیسے رکھا جاتا ہے، زکوٰۃ کس پر فرض ہوتی ہے، حج کس کے ذمہ واجب ہوتا ہے، یہ ساری معلومات حاصل کرنا ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہیں۔

۱۸۵

اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو، جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا، یہ جو فرمایا کہ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو، جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا، یہ درحقیقت اس طرف اشارہ ہے کہ جب سب سے پہلے حضرت جبریل امین u نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ”اقْرَأْ“ کہہ کر پڑھنے کا حکم دیا تھا، تو جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، تو پھر حضرت جبریل امین u نے فرمایا کہ اگرچہ تم پڑھے ہوئے نہیں ہو، تم امی ہو، لیکن جب تم اللہ کا نام لے کر پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اندر پڑھنے کی پوری صلاحیت پیدا فرمادیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امی رکھا اور اسی حکمت کے تحت رکھا کہ امی ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر وہ علوم جاری ہوں جس کے آگے ساری دنیا کے علماء اور حکماء گھٹنے ٹیک دیں۔ اس لئے جب تم اللہ کا نام لے کر پڑھو گے تو پڑھا جائے گا۔

کتاب لکھنے پڑھنے سے پہلے ”بسم اللہ“

اور اس آیت سے یہ حکم بھی نکلتا ہے کہ جب بھی آدمی قرآن کریم کی تلاوت کرے، یا کوئی اور علم حاصل کرنا چاہے، اور اس کے لئے کوئی کتاب پڑھے، یا لکھے تو اس کا آغاز اللہ تبارک و تعالیٰ کے نام سے ہونا چاہئے، یعنی ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سے ہونا چاہئے۔ لہذا اگر تم کوئی کتاب پڑھ رہے ہو تو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر شروع کرو، اگر تم کوئی کتاب لکھ رہے ہو تو بسم اللہ الرحمن

۱۸۶

الرحیم پڑھ کر شروع کرو، اور صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلَّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ فِيهِ بِبِسْمِ اللَّهِ فَهُوَ أَقْطَعُ

او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم: فرمایا کہ کوئی بھی اہم کام جو اللہ کے نام کے بغیر شروع کیا جائے، بسم اللہ کے بغیر شروع کیا جائے، وہ ادھورا اور ناکام ہے۔ اس میں کوئی برکت نہیں، اور جب تم اللہ کے نام سے شروع کرو گے تو اس میں برکت ہوگی، اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت شامل حال ہوگی، اس لئے ہر کام کو شروع کرنے سے پہلے خاص طور پر کوئی کتاب شروع کرنے سے پہلے، کوئی علم حاصل کرنے سے پہلے، کوئی کتاب لکھنے سے پہلے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھنا چاہئے، اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تعلیم دی ہے، اور اس آیت کریمہ سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے۔

جس نے پیدا کیا، وہی صلاحیت دیگا

پھر فرمایا:

الَّذِي خَلَقَ ۝

یعنی وہ ذات جس نے پیدا کیا، کیا چیز پیدا کی؟ اس نے ساری کائنات کو پیدا کیا۔ آسمان اس نے پیدا کیا، زمین اس نے پیدا کی، انسان کو اس نے پیدا کیا، جانوروں کو اس نے پیدا کیا، اور انسان کی تمام صلاحیتوں کو اسی نے پیدا کیا۔ اس سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ آپ تو یہ فرما رہے ہیں کہ میں پڑھا

انسان پوری کائنات کا خلاصہ

اس لئے فرمایا گیا:

الْإِنْسَانُ عَالَمٌ كُلُّهُ

کہ انسان پوری کائنات کا خلاصہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے، چونکہ ہم لوگ صبح سے لے کر شام تک انسان کی خصوصیات دیکھتے رہتے ہیں، نگاہیں اس کی عادی ہو گئی ہیں، لہذا اس کی اس کیفیت پر تعجب نہیں ہوتا، لیکن اگر غور کرو تو انسان کی ایک ایک نقل و حرکت اور پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک، مرنے کے بعد تک اس کی پوری تخلیق اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اس کی حکمتِ بالغہ کا حیرت انگیز کرشمہ ہے، کہ اس انسان کو ایک حقیر سے پانی کی ایک بوند سے ترقی دے کر اس کو خون بستہ بنایا، کس طرح اس کو لو تھڑا بنایا، کس طرح اس پر ہڈیاں چڑھائیں، کس طرح اس ہڈی پر گوشت کا لباس چڑھایا، کس طرح وہ ماں کے پیٹ میں پرورش پا رہا ہے؟ اور ماں کے پیٹ میں اس کو کس طرح غذا دی جا رہی ہے۔ کس طرح اس کی نشوونما ہو رہی ہے، اور پیدا ہونے کے بعد کس طرح اچانک اس کے اندر بولنے اور رونے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب تک وہ ماں کے پیٹ میں تھا، وہ خاموش تھا، اس کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلتی تھی، لیکن پیدا ہوتے ہی اس کے اندر بولنے کی، اس کے اندر ہنسنے کی، اور اس کے اندر رونے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، اور اس وقت اس کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ یہ کائنات جس کے اندر میں آیا ہوں یہ کیا چیز ہے؟ اور میرا وجود اس میں کس

ہوا نہیں ہوں، میں کیسے پڑھوں، ارے جس ذات نے ساری کائنات پیدا کی ہے، اور جس ذات نے آپ ﷺ کو تخلیق کیا ہے، آپ ﷺ کے اندر صلاحیتیں پیدا کی ہیں، وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ آپ کے اُمّی ہونے کے باوجود آپ کے اندر پڑھنے کی پوری صلاحیت پیدا فرمادیں۔

”انسان“ اللہ کی قدرت کا مظہر

پھر آگے فرمایا:

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۖ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر انسان کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ یوں تو ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمایا ہے، لیکن خاص طور پر انسان کا علیحدہ ذکر فرمایا کہ ساری کائنات میں سب سے عجیب مخلوق ”انسان“ ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اور اس کی حکمتِ بالغہ کا سب سے بڑا مظاہرہ ہے، کیونکہ انسان ایسی مخلوق ہے کہ اگر اس کے اندر غور کرو، سارے عالم انسان کے وجود کے اندر جمع ہیں۔ چنانچہ انسان کے وجود کے اندر ”جمادات“ یعنی ٹھوس چیزیں بھی ہیں، جیسے ہڈیاں، اس کے اندر ”نباتات“ یعنی اگنے والی اشیاء بھی ہیں، جیسے بال، اس کے اندر روح کے موجود ہونے سے حیوان کی صلاحیتیں بھی اس کے اندر موجود ہیں۔ اس طرح تمام قسم کے عالم اس کے اندر موجود ہیں۔

۱۸۹

طرح ہوا ہے؟ لیکن رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ اس کو کس طرح ترقی کے مدارج سے گزارتے ہیں، اور کس طرح اس کے اندر سمجھ پیدا ہوتی ہے، اور وہ سمجھ ترقی کر کے عقل بن جاتی ہے۔ اور کس طرح انسان اس عقل کے ذریعہ دنیا کے اندر زندگی گزارتا ہے، ان میں سے ایک ایک چیز ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا عظیم الشان مظہر ہے۔

اپنے وجود پر غور کرو

اسی لئے قرآن کریم نے بار بار اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اللہ کے بندو اور کچھ نہیں تو تم اپنے وجود پر غور کر لیا کرو، فرمایا:

وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (الذاریات: ۲۱)

تم اپنے وجود میں غور کرو، اس میں ہم نے اپنی قدرت کے جو کرشمے رکھے ہیں، کیا تمہیں اپنی آنکھوں سے نظر نہیں آتے؟ اسی لئے خاص طور پر انسان کی تخلیق کا ذکر فرمایا کہ یہ ساری کائنات تو ہماری پیدا کی ہوئی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا عظیم شاہکار ”انسان“ ہے، جس کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے دوسری آیات میں بیان فرمائی ہیں۔ جس ذات نے ساری کائنات پیدا کی، جس ذات نے انسان کو پیدا کیا، اور اس انسان کے اندر جو صلاحیتیں ہیں، وہ بھی اسی کی تخلیق ہیں، جب تم اس ذات کا نام لے کر پڑھو گے تو تمہارے پڑھے ہوئے نہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ تمہارے اندر وہ صلاحیتیں پیدا فرما دیں گے کہ تمہاری زبان پر وہ علوم جاری ہوں گے کہ ساری دنیا کے عقلاء اور علماء اس

۱۹۰

کے گھٹنے سامنے ٹیک دیں گے۔

تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے
آگے فرمایا:

اقْرَأْ وَ رَبُّكَ الْأَكْرَمُ (علق: ۳)

پڑھنے کے حکم کو دوبارہ دہرایا کہ پڑھو۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ پہلا پڑھنا تو اپنے لئے تھا، اور دوسرا پڑھنا اس معنی میں ہے کہ اب لوگوں کے سامنے پڑھ کر ہمارا پیغام پہنچاؤ، ہمارے دین کی تبلیغ کرو، ”وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ“ تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے، اتنا کریم ہے کہ اگرچہ بظاہر تمہیں اپنے اندر پڑھنے کی صلاحیت نظر نہیں آرہی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے تمہارے اندر وہ صلاحیت پیدا فرمائیں گے۔

تمہیں قلم کے ذریعہ تعلیم دی

آگے فرمایا:

الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (علق: ۴)

وہ ذات جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی، یعنی وہ لوگ جو زبانی طور پر علم حاصل نہیں کر سکے، ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے قلم کا راستہ اختیار فرمایا، قلم کا راستہ اختیار کرنے سے درحقیقت اس عظیم حقیقت کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ دیکھو! دنیا میں کتنی زبانیں پھیلی ہوئی ہیں، اور ان زبانوں کو قلم کے ذریعہ تحریر

بنائیں، اور قلم کے ذریعہ وہ باتیں دوسروں تک پہنچائیں جو زبان کے ذریعہ نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی اس تخلیق قلم پر غور کرے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ پوری دنیا میں جو زبانیں اور جو رسم الخط پھیلے ہوئے ہیں، وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کی دلیل ہے۔

زبانوں کا اختلاف قدرت کی نشانی ہے

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاجْتِلَافُ
الْسِّنَتِكُمْ وَالْوَايَكُم ط (الروم: ۲۲)

یعنی یہ جو مختلف زبانیں جو تم بولتے ہو، یا لکھتے ہو، ان کا اختلاف بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، بہر حال! اللہ وہ ذات ہے جس نے قلم کے ذریعہ تمہیں تعلیم دی، اور وہ ذات تو قلم کی بھی محتاج نہیں، وہ بغیر قلم کے بھی تمہیں علم دے سکتا ہے، جیسا کہ آگے ارشاد فرمایا:

انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا

عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (العلق: ۵)

کہ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا — اور دوسری جگہ قرآن کریم میں فرمایا کہ جب ہم نے تم کو ماں کے پیٹ سے پیدا کیا تو اس وقت تمہاری حالت یہ تھی کہ ”لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا“ (الاحق: ۷۸) تم اس وقت کچھ بھی

کر کے دوسروں تک پہنچایا جاتا ہے، اور اس کے مختلف رسم الخط اللہ تعالیٰ نے ایجاد کئے ہوئے ہیں، ذرا غور کرو، یہ سارے رسم الخط اور لکھنے کے طریقے، چاہے وہ کسی بھی زبان کے ہوں، کیا کوئی عالمی کانفرنس ہوئی تھی، جس میں ساری دنیا کے لوگوں نے مل کر یہ بات طے کیا ہو کہ ہم اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے اپنی باتوں کو تحریر کے ذریعہ ظاہر کرنے کے لئے یہ حروف بنائیں گے کہ الف اس طرح لکھا جائے گا، ”ب“ اس طرح لکھا جائے گا، اور ”ج“ اس طرح لکھا جائے گا۔ اگر کوئی شخص تلاش کرنا چاہے تو پوری تاریخ میں اس کی کوئی ایک مثال نہیں ملے گی کہ لوگوں نے آپس میں بیٹھ کر یہ طے کیا ہو کہ یہ حرف اس طرح لکھا جائے گا، اور اس کو اس طرح پڑھا جائے گا، اور یہ لفظ اس طرح لکھا جائے گا، اور اس کے معنی یہ ہوں گے۔

زبانیں اور رسم الخط الہامی ہیں

یہ تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں الہام اور القاء فرمادیا، اور سب لوگوں کے دلوں میں ایک جیسی بات آگئی کہ جب یہ لفظ بولا جائے گا تو اس کے معنی یہ ہوں گے۔ اور یہ لفظ اس طرح لکھا جائے گا، یہ انسانی سمجھوتہ یا کسی معاہدہ عمرانی کی شکل میں یہ بات طے نہیں ہوئی تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے قلوب پر اور ان کے دلوں پر الہام فرمایا کہ اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے یہ طریقہ اختیار کرو، اور اس نے حروف بنائے، اور اسی نے الفاظ بنائے، اسی نے تحریر



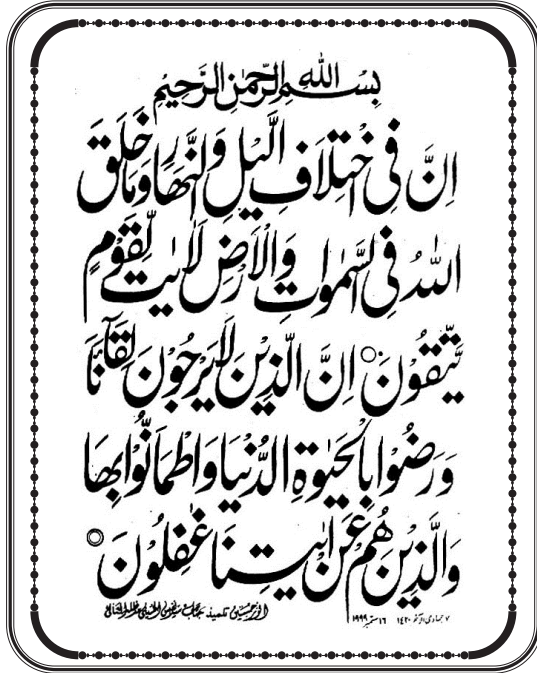
نہیں جانتے تھے، چنانچہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو کچھ علم نہیں ہوتا، پھر رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ اس کو سکھاتے ہیں، وہی بچہ جو کچھ نہیں جانتا تھا، اتنا علم اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اس کو سکھا دیا کہ ماں کی چھاتی چوسنے سے تمہیں دودھ اور غذا حاصل ہوگی، اور اس بچے کو یہ سکھا دیا کہ جب تمہیں بھوک لگے تو اپنی بھوک کا اظہار رو کر کرو، تو ماں تمہیں اپنی چھاتی سے لگا لے گی، اور پھر تمہیں دودھ پلا کر تمہیں غذا کا سامان مہیا کرے گی، اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے اس انسان کو تعلیم دینے کا آغاز فرمایا:

خلاصہ

اور پھر جوں جوں انسان آگے بڑھتا ہے، اس کو علم عطا کرنے کے لئے مختلف ذرائع وجود میں لاتے ہیں، علم حاصل کرنے کے وہ مختلف ذرائع کیا ہیں؟ اس کی بڑی تفصیل ہے اور اب وقت ختم ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا فرمائی تو اس کی تفصیل آئندہ عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○





مالداري گھمنڈ ميں مبتلا نہ کر دے

(تفسير سورة العلق)

5

شيخ الاسلام حضرت مولانا مفتي محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتي محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی



میمن اسلامک پبلشرز

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مالدارى گھمنڈ میں مبتلا نہ کر دے

تفسیر سورۃ العلق

5

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ. وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ
سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
يُضِلِّهِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ. وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ. وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا
وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ، صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ
وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝
الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝
الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ

يَعْلَمُ ۝ كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَافٍ ۝
اسْتَغْنَى ۝ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ۝ أَرَأَيْتَ
الَّذِي يُنْفِی ۝ عَبْدًا إِذَا صَلَّى ۝ أَرَأَيْتَ إِنْ
كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ ۝ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ۝
أَرَأَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝ أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ
اللَّهَ يَرَىٰ ۝ كَلَّا لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا
بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝ فليَدْعُ
نَادِيَهُ ۝ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝ كَلَّا لَا تَطَّعُ وَ
اسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝ (سورۃ العلق: ۱ تا ۱۸)

أَمَنْتُ بِاللَّهِ صَدَقَ اللَّهُ مَوْلَانَا الْعَظِيمُ، وَصَدَقَ
رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ، وَنَحْنُ عَلَىٰ ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ
وَالشَّاكِرِينَ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز، یہ سورۃ العلق ہے، جس کی تشریح کا بیان
پچھلے کئی جمعوں سے چل رہا ہے، اس کی ابتدائی ۵ آیات سب سے پہلے حضور
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھیں، اور قرآن کریم کے نزول کا آغاز انہی آیات
سے ہوا تھا، ان ۵ آیات کی بقدر ضرورت تفسیر و تشریح الحمد للہ پچھلے بیانات
میں ہو چکی ہے۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنے
کا حکم دیا تھا، اور اس سے مراد قرآن کریم کا پڑھنا تھا، اور ساتھ ہی ”اقْرَأْ“

صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت پیغمبر کے اپنی دعوت لوگوں تک پہنچائیں تو ابو جہل اور اس کے ہم نوا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہو گئے، اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت شروع کر دی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں نماز پڑھتے تو ابو جہل کو سخت ناگوار ہوتا، اور وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو روکتا کہ نماز مت پڑھو۔۔۔ ایک دو مرتبہ جب اس نے روکا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اس کو جھڑک دیا کہ تم مجھے نماز پڑھنے سے نہیں روک سکتے۔ اس پر ابو جہل نے کہا کہ تم مجھے اس طرح جھڑک رہے ہو، یاد رکھو! میرے ساتھ بہت بڑا جتھا ہے، کسی وقت میں اس جتھے کو لا کر تمہاری خیر لے لوں گا۔۔۔ العیاذ باللہ العلی العظیم۔۔۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر آئندہ میں نے تمہیں مسجد حرام میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اپنا پاؤں تمہاری گردن پر رکھ کر تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔۔۔ معاذ اللہ۔۔۔ اس قسم کے گستاخانہ الفاظ اس نے کہے۔ اس موقع پر اگلی آیات نازل ہوئیں۔ فرمایا:

ابو جہل سرکشی پر آمادہ ہو گیا

كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِٖٓ اَكْرَهٗ ۚ اَنْ سَرَّاهٖ اَسْتَعْثٰ ۝۱

یعنی حقیقت یہ ہے کہ انسان سرکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔۔۔ انسان سے مراد یہاں ابو جہل ہے کہ ابو جہل سرکشی پر آمادہ ہو گیا ہے۔۔۔ سرکشی پر کیوں آمادہ ہو گیا ہے؟ ”اَنْ سَرَّاهٖ اَسْتَعْثٰ ۝۱“ کیونکہ اس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھا ہوا ہے، یعنی ایک طرف تو اس کے پاس مال و دولت کے انبار ہیں، دوسری

رَبُّكَ اِلَّا كَرُمُ ۝۲“ فرما کر یہ حکم بھی دیا گیا کہ آپ دوسرے لوگوں تک یہ پیغام پہنچائیں، یعنی قرآن کریم کی تعلیمات کو صرف اپنی حد تک محدود نہ رکھیں، بلکہ دوسروں تک بھی پہنچائیں، اور ان کو بھی ہدایت کے راستے پر لانے کی کوشش فرمائیں۔

توحید کی مخالفت تو ہونی تھی

ظاہر ہے کہ اس معاشرے میں اور اس ماحول میں جہاں چاروں طرف کفر و الحاد کی اور بے دینی کی فضا مسلط تھی۔ اس وقت میں جب کوئی اللہ کا بندہ، اللہ کی توحید کا پیغام پہنچاتا تو اس کی مخالفت بھی یقیناً ہونی تھی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مخالفت کے بارے میں بھی اگلی آیات میں کچھ ارشاد فرمایا گیا۔ اگلی آیات جو ”كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِٖٓ اَكْرَهٗ ۚ اَنْ سَرَّاهٖ اَسْتَعْثٰ ۝۱“ سے شروع ہو رہی ہیں۔ یہ پہلی پانچ آیتوں کے کافی دنوں کے بعد نازل ہوئیں۔۔۔ لہذا یہ پوری سورۃ اقرأ ایک ساتھ نازل نہیں ہوئی، بلکہ پہلی پانچ آیتیں غارِ حرا کے اندر نازل ہوئیں، ان سے وحی کا آغاز ہوا، اس کے بعد سورۃ مدثر وغیرہ کی کچھ اور آیات نازل ہوئیں۔ پھر اس کے بعد اگلی آیات جو ”كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِٖٓ اَكْرَهٗ ۚ اَنْ سَرَّاهٖ اَسْتَعْثٰ ۝۱“ سے شروع ہو رہی ہیں۔ وہ بعد میں نازل ہوئیں۔

ابو جہل کا آپ کے ساتھ رویہ

اگلی آیتوں کا پس منظر یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ہوا کہ آپ

۲۰۱

طرف اس کا قبیلہ اور خاندان ہے، اور اس قبیلے پر اس کو ناز ہے کہ یہ میری مدد کرے گا، اور میں جو کچھ کہوں گا، یہ اس کی تعمیل کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ تو چونکہ اس نے اپنے آپ کو ہر ایک سے بے نیاز سمجھا ہوا ہے، اس لئے سرکشی پر آمادہ ہو گیا ہے، اور اللہ کے راستے میں نہ صرف یہ کہ وہ خود نہیں چلتا، بلکہ نبی کریم ﷺ جب اللہ کے راستے میں چلتے ہیں تو ان کے راستے میں رکاوٹ ڈالتا ہے، اور ان کو منع کرتا ہے۔

اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنا حماقت ہے

اگرچہ یہ آیات ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں الفاظ عام استعمال فرمائے، ابو جہل کا نام نہیں لیا، بلکہ یہ فرمایا کہ برے انسان کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ جب وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے تو سرکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے، مثلاً اگر کسی شخص کو مال و دولت بہت مل گیا، اور وہ بڑا مالدار ہو گیا تو وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اب مجھے کسی کی ضرورت نہیں، اب میں سب کام ان پیسوں کے ذریعہ سے کر لوں گا، اس کے نتیجے میں اس کے اندر تکبر، فخر اور سرکشی پیدا ہو جاتی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ تنبیہ فرما رہے ہیں کہ دولت مند ہونے کی بنیاد پر اور امیر ہونے کی وجہ سے آدمی اپنے آپ کو بے نیاز سمجھے تو یہ اس کی انتہائی حماقت کی بات ہے، اس لئے کہ یہ مال و دولت بھی اللہ تعالیٰ ہی کا عطا کیا ہوا ہے، وہ جب چاہے، اس کو واپس لے سکتا ہے۔

۲۰۲

ایسی مالداری سے اللہ کی پناہ

کتنے انسان ہیں جو مال و دولت کے اعتبار سے دوسرے انسانوں کے لئے قابلِ رشک تھے، لیکن جب حالت بدلی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے کے محتاج ہو گئے، اس واسطے مال و دولت کی بنیاد پر تکبر کرنا، اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، اور دوسروں کو حقیر سمجھنا، دوسروں سے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ کر سرکشی کا معاملہ کرنا، یہ انتہائی بد فطرتی کی بات ہے، اور کسی انسان کے لئے زیبا نہیں، اس لئے نبی کریم ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ غِنًى يُطْغِيَنِي

اے اللہ! میں ایسی مالداری سے پناہ مانگتا ہوں، جو مجھے سرکش بنا دے، اگر اللہ تعالیٰ مال عطا فرمائے تو اس کا حق یہ ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، یہ نہیں کہ اس مال کی بنیاد پر سرکش بن جائے اور دوسروں پر اپنی بڑائی جتانے لگے، اور دوسروں کے لئے ایک عذاب بن جائے، یہ کسی شکر گزار بندے کا شیوہ نہیں ہوتا۔

مالداری کی اکڑ اور فقر و فاقہ کی ذلت سے پناہ مانگو

ایک اور موقع پر حضور اقدس ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ بَطْرِ الْغَنِيِّ وَمَذَلَّةِ الْفَقْرِ

اے اللہ! میں آپ سے مالداری کی اکڑ سے پناہ مانگتا ہوں، کہ دل

۲۰۴

تجھے اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے

اس کے جواب میں اللہ جل شانہ نے صرف ایک جملہ ارشاد فرمایا:

أَنْ سَأَلَ اسْتَغْفِرُ ۝

یعنی تو جو اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ رہا ہے کہ مجھے کسی کی ضرورت نہیں، میں بذاتِ خود اپنی حاجتیں پوری کر سکتا ہوں، اور اس کی وجہ سے تو دوسروں کے ساتھ سرکشی کا معاملہ کر رہا ہے، تو یاد رکھ کہ تجھے اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اس کے اندر دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اگر بالفرض دنیا کے اندر تیرا یہ مال و دولت کتنا ہی زیادہ ہو جائے، اور اس کی وجہ سے تو کتنے مزے کی زندگی گزار لے، لیکن اگر تو سرکشی کا معاملہ کرے گا تو بالآخر تجھے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جانا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی، اور اس پیشی کے اندر تجھے اپنی اس سرکشی کا حساب دینا ہوگا۔

سارا تکبر دھرا رہ جائے گا

لہذا تیرے دماغ میں مال و دولت کی وجہ سے جو تکبر پیدا ہو گیا ہے اور اپنے اقتدار، اپنی شہرت اور مقبولیت کی وجہ سے جو تکبر پیدا ہو گیا ہے، یہ سارا تکبر دھرا رہ جائے گا، وہاں پر سوائے احکم الحاکمین کے کسی کا حکم نہیں چلے گا، وہ ”مَلِکِ یَوْمِ الدِّینِ“ ہے، تجھے اپنی سرکشی کا حساب دینا ہوگا، اور اس کے نتیجے میں تجھے اس سرکشی کا جو عذاب بھگتنا ہوگا، وہ آج کے اس مال و دولت

۲۰۳

میں مالدار کی وجہ سے اکڑ پیدا ہو جائے، تکبر پیدا ہو جائے، اور اس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو حقیر سمجھنے لگوں، اس سے پناہ مانگتا ہوں، اور ساتھ میں فقر و فاقہ کی ذلت سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ فقر کی وجہ سے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلا نے پر مجبور ہو جاؤں، یا دوسرے کے ہاتھوں ذلت اٹھانی پڑے، میں اس سے پناہ مانگتا ہوں۔

بے نیازی کے مختلف اسباب

بہر حال! بعض اوقات مال و دولت کی وجہ سے انسان کو یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ میں بے نیاز ہو گیا ہوں اور اب میں جو چاہوں کر سکتا ہوں، اور ساری مخلوق کو وہ حقیر سمجھتا ہے، یہ سرکشی ہے۔ بعض اوقات کسی شخص کو کوئی اقتدار یا کوئی منصب یا کوئی عہدہ مل جاتا ہے، اور اس منصب اور عہدہ کی وجہ سے وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں سب کچھ ہو گیا، اور اس کی وجہ سے اس کے اندر سرکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات کسی شخص کو شہرت حاصل ہوگئی، اور اس شہرت کی وجہ سے وہ لوگوں میں مقبول ہو گیا۔ اس کی وجہ سے اس کے اندر اکڑ پیدا ہو جاتی ہے، ان ساری چیزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا کہ

كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِٖٓ اَكْرَهٌ ۚ اَنْ سَأَلَ اسْتَغْفِرُ ۝

کہ انسان اس وقت سرکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے، جب وہ اپنے آپ کو مستغنی اور بے نیاز سمجھتا ہے کہ اب مجھے کسی کی حاجت نہیں، کسی کی ضرورت نہیں۔

۲۰۶

کر لیتے؟ اور پھر اس دانے کو کس طرح توڑا گیا؟ کس طرح اس کو پیسا گیا؟ اور کس طرح دور دراز سے تمہارے پاس پہنچا، اور کس طرح اس کی روٹی بنائی گئی، تب جا کر ایک لقمہ تمہارے حلق تک پہنچا۔

تم ہر چیز میں اللہ کے محتاج ہو

تم ایک ایک لقمہ میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو، تم تو یہ سمجھ رہے ہو کہ میں ہر چیز سے بے نیاز ہو گیا ہوں، اس وجہ سے کہ تمہارے پاس مال و دولت کے ڈھیر لگ گئے ہیں۔ اگر فرض کرو کہ تمہارے پاس مال و دولت کے ڈھیر ہوں، لیکن روٹی پکانے کے لئے تو آٹا چاہئے، اس لئے کہ اس دولت کو تو کھا کر تم اپنی بھوک نہیں مٹا سکتے، اس کے لئے تو آٹا چاہئے، اس کے لئے تو چاول چاہئے، اس کے لئے تو گوشت چاہئے، اس کے لئے تم کو بازار سے ان چیزوں کو خریدنا ہوگا، اگر فرض کرو کہ بازار میں آٹا ہی فروخت نہیں ہو رہا ہے تو تمہارے پیسے تمہیں کیا کام آئیں گے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے کہ اس نے مختلف لوگوں کو مختلف روزگار میں لگا دیا ہے، کوئی کسان ہے جو زمین میں گندم اگا رہا ہے، کوئی انسان اس گندم کو بیس رہا ہے، کوئی اس کو بازار میں لا کر فروخت کر رہا ہے، اگر یہ ساری باتیں ختم ہو جائیں تو پھر تمہارا پیسہ تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا۔

بالآخر اللہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا

لہذا ہر قدم پر، ہر مرحلے پر تم ان دوسرے لوگوں کے محتاج ہو جن کو

۲۰۵

کے مزدوروں سے کہیں زیادہ ہوگا۔ ایک معنی تو اس آیت کے یہ ہوئے۔

دنیا کے اندر بھی تم دوسروں کے محتاج ہو

اس آیت کے اندر دوسرے معنی بھی پوشیدہ ہیں، وہ یہ کہ آدمی دنیا کے اندر کتنے ہی مال و دولت کا مالک بن جائے، اور اس کو کتنا بڑا اقتدار نصیب ہو جائے، لیکن اس کا یہ سمجھنا کہ میں دوسروں سے بے نیاز ہو گیا ہوں، یہ انتہائی درجہ کی حماقت ہے، ارے دنیا کے اندر بھی جو کچھ اس کو مل رہا ہے، اس میں بھی وہ ہر آن اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا محتاج ہے، یہ کھانا جو تم کھا رہے ہو، اس کھانے کو تمہارے منہ تک لانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی کتنی مخلوقات نے کام کیا ہے، یہ روٹی کا ایک ٹکڑا جو تم نے ایک لمحہ میں اپنے حلق سے نیچے اتار دیا۔ اس ٹکڑے پر ذرا غور کرو کہ یہ ٹکڑا کس طرح وجود میں آیا، کس طرح کس کسان نے بیج زمین میں ڈالا، اور اس بیج کو اللہ تعالیٰ نے مٹی کے تہہ میں نشوونما عطا فرمائی، اور اسی زمین کی تہہ میں اس کی تخلیق کر رہے ہیں، اس سے نباتات پیدا فرما رہے ہیں، تم تو ایک بیج ڈال کر فارغ ہو گئے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بڑھوتری پیدا فرمائی، یہاں تک کہ وہ ایک کونپل کی شکل میں پیدا ہو گیا، اور وہ کونپل بھی ایسی نازک کہ اگر ایک بچہ بھی اپنی انگلی سے اس کو مسل دے تو وہ ختم ہو جائے، لیکن وہ نازک کونپل سیکڑوں من مٹی کا پیٹ پھاڑ کر زمین سے برآمد ہوتی ہے، کون ہے جو اس کونپل میں یہ طاقت دے رہا ہے؟ پھر اس کونپل کو پودا کس نے بنایا؟ اس پودے کو درخت بنانے والی کون ذات ہے؟ اس پر دانے اگانے والی کون ذات ہے؟ کیا تمہارے اندر یہ طاقت تھی کہ یہ سارے کام

۲۰۸

وجہ سے بے نیاز ہو گیا، یا اقتدار کی وجہ سے بے نیاز ہو گیا، یہ گھمنڈ کسی صحیح الفکر انسان کے دل میں پیدا نہیں ہونا چاہئے، اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں کوئی نعمت دی ہے، چاہے وہ نعمت پیسے کی شکل میں ہو، یا اقتدار کی شکل میں ہو، یا شہرت کی شکل میں ہو، اس کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرو، اس کے احکام کے مطابق زندگی گزارو، اور دوسری مخلوق خدا کے ساتھ رحم کا معاملہ کرو، اور دوسری مخلوق کی مدد کرنے کی کوشش کرو، اس کو بھی اپنا بھائی سمجھو، اور اس پر اپنی بڑائی جتانے کی کوشش نہ کرو۔ یہ ہے صحیح طریقہ — نہ یہ کہ انسان اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ کر دوسروں کے لئے مصیبت بن جائے، اور دوسروں کے ساتھ تکبر کا معاملہ شروع کر دے۔

خلاصہ:

بہر حال! ان تین آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ سبق عطا فرمایا ہے، یہ بات دراصل ابوجہل سے متعلق تھی، لیکن قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ بات کسی سے بھی متعلق ہو، لیکن اس سے دوسروں کو سبق دیتا ہے، وہ سبق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا حق یہ ہے کہ اس کا شکر ادا کرو، اور ان نعمتوں کی وجہ سے تکبر اور گھمنڈ اور بڑائی کو اپنے دل میں نہ لاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سبق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین ○



۲۰۷

اللہ تعالیٰ نے تمہاری خدمت کے لئے پیدا فرمایا ہے، کتنے انسان اور کتنے جانور تمہاری خدمت میں لگے ہوئے ہیں — لہذا ہر چیز میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہوگا — اگر فرض کرو آٹے کا قحط پڑ جائے، اور بازار میں آٹا ملنا بند ہو جائے تو اس وقت اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، اور کہو کہ یا اللہ! اپنے فضل سے اپنی رحمت سے اس قحط کو ختم فرما دیجئے۔ اس لئے فرمایا کہ:

إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ۝۸

بالآخر تمہیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا، کتنا ہی تم اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لو، اور کتنا ہی تم دولت سے مالا مال ہو جاؤ، صاحب اقتدار بن جاؤ، لیکن آخر میں تمہیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا —

دنیا و آخرت دونوں میں تم اللہ کے محتاج ہو

بہر حال! یہ دونوں باتیں اس آیت کے اندر موجود ہیں، ایک یہ کہ تم دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کئے بغیر اپنی حاجتیں پوری نہیں کر سکتے، تمہاری کوئی حاجت ایسی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے بغیر پوری ہو جائے، لہذا دنیا میں بھی تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے، اور مرنے کے بعد بھی تمہارا اللہ تعالیٰ سے سامنا ہوگا، وہی تمہیں تمہارے اعمال کی جزا اور سزا عطا فرمائے گا۔

ان نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرو

لہذا انسان کے دل میں یہ جو گھمنڈ پیدا ہو جاتا ہے کہ میں مال و دولت کی

بیس لاکھ نیکیاں حاصل کیجئے

جو شخص ایک مرتبہ یہ کلمات پڑھے گا اس کے لئے بیس لاکھ
نیکیاں لکھی جائیں گی۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ أَحَدًا
صَمَدًا لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ
كُفُوًا أَحَدٌ۔ (روایت: طبرانی)

”سجدہ“ اللہ کے قرب کا ذریعہ

(تفسیر سورۃ العلق)

6

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی



میمن اسلامک پبلشرز

يَعْلَمُ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى ۚ ﴿١٣﴾ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهُ ۚ
لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۚ ﴿١٤﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ ﴿١٥﴾
فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۚ ﴿١٦﴾ سَنَدْعُ رَبَّنَا ۚ ﴿١٧﴾ كَلَّا ۚ
لَا تَطْعُهُ ۚ ﴿١٨﴾ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۚ ﴿١٩﴾ (سورہ العلق: ۹: ۱۸ تا ۱۹)
أَمِنْتُ بِاللَّهِ صَدَقَ اللَّهُ مَوْلَانَا الْعَظِيمُ، وَصَدَقَ
رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ، وَنَحْنُ عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ
وَالشَّاكِرِينَ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز، یہ سورۃ علق کی آخری آیات ہیں جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں، اور اس سورۃ کی تشریح کا بیان چند جمعوں سے چل رہا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ جمعہ میں عرض کیا تھا کہ یہ آیات ایک خاص واقعہ پر نازل ہوئی تھیں کہ نبی کریم ﷺ جب مسجد حرام میں نماز پڑھا کرتے تھے تو ابو جہل جو آپ ﷺ کا دشمن تھا، وہ آپ ﷺ کو نماز پڑھنے سے روکتا تھا، کئی بار اس نے روکا تو ایک مرتبہ اس کے روکنے پر حضور اقدس ﷺ نے اس کو جھڑک دیا تو اس پر اس نے کہا کہ میرا بہت بڑا خاندان اور کنبہ ہے، اگر آپ ﷺ نے یہ نماز جاری رکھی تو میں ان سب کو آپ ﷺ کے اوپر حملہ کرنے کا حکم دیدوں گا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ اپنی نماز جاری رکھی، پھر ایک مرتبہ جب اس نے حضور اقدس

بسم الله الرحمن الرحيم

”سجدہ“ اللہ کے قرب کا ذریعہ

تفسیر سورۃ العلق

6

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ
سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
يُضِلِّهِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا
وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ، صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ
وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ *

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ *

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى ۙ عَبْدًا إِذَا صَلَّى ۙ ﴿١﴾
أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدَى ۙ أَوْ أَمَرَ
بِالتَّقْوَى ۙ ﴿٢﴾ أَرَأَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى ۙ ﴿٣﴾ أَلَمْ

۲۱۴

یہ انسان کی سب سے بڑی عظمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں حضورِ اقدس ﷺ کے عالی مقام کا تذکرہ فرمایا، اس مقام پر حضورِ اقدس ﷺ کے لئے ”عبد“ کا لفظ استعمال فرمایا: چنانچہ معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا (الإسراء: ۱)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ کی طرف لے گئی۔ یعنی معراج کے لئے لے گئی۔ اس موقع پر حضورِ اقدس ﷺ کے لئے ”بندہ“ کا لفظ استعمال فرمایا۔

سب سے اعلیٰ صفت ”بندگی“ ہے

اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ انسان کے اندر جتنی بھی صفات کمال کی ہو سکتی ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کا کامل بندہ بن جائے۔ ”بندگی“ انسان کی معراج ہے، اور بندگی کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی زندگی کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان بنالے۔ بہر حال! ان آیات میں اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ ایک ایسا بندہ جس نے اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان بنا رکھی ہے، وہ نماز پڑھتا ہے تو یہ اس کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔

۲۱۳

صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تو اس نے کہا کہ اگر آئندہ آپ ﷺ نے نماز پڑھی، یا سجدہ کیا تو میں آپ ﷺ کی گردن کو پاؤں سے کچل دوں گا۔ العیاذ باللہ العلیٰ العظیم۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں، جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں۔

”بندے“ کو نماز پڑھنے سے روک رہا ہے

ان آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أَمَّا يُتِ الَّذِي يَنْهَى ۖ عَبْدًا إِذَا صَلَّى ۖ

”أَمَّا يُتِ“ یہ عربی زبان میں تعجب کے موقع پر بولا جاتا ہے، جس کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کیا تم نے اس شخص کو دیکھا؟ اور اس کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ذرا اس شخص کا حال تو بتاؤ جو ایک اللہ کے بندے کو روک رہا ہے، جب وہ بندہ نماز پڑھتا ہے، یعنی نماز پڑھنے سے روک رہا ہے۔ اس آیت میں ”عَبْدًا“ کا لفظ استعمال فرمایا۔ ”عَبْدًا“ کے معنی ہوتے ہیں ”بندہ“ اور اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہیں۔

انسان کی عظمت کا اعلیٰ مقام ”بندہ“ ہونا ہے

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی کوئی اور صفت ذکر نہیں فرمائی، بلکہ فرمایا ”بندہ“ اس سے ایک طرف تو یہ اشارہ فرمایا کہ انسان کی عظمت اور بڑائی کا سب سے اعلیٰ مقام یہ ہے کہ وہ اللہ کا کامل بندہ بن جائے، اللہ کی بندگی

۲۱۵

ایسے شخص کو نماز سے روکنا ”کمینگی“ ہے

پھر آگے فرمایا کہ یوں تو کسی بھی شخص کو نماز سے روکنا بہت بڑا گناہ اور بہت بری بات ہے، خاص طور پر وہ شخص جس کو نماز سے روکا جا رہا ہو، وہ ایسا شخص ہو کہ:

أَسْمَئِيَّتْ إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدَى ۖ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَى ۖ

ذرا بتاؤ، وہ شخص جس کو روکا جا رہا ہے، اگر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکمل ہدایت پر ہو، یا وہ دوسرے لوگوں کو تقویٰ کا حکم دیتا ہو، تقویٰ کی تاکید کرتا ہو، یعنی خود بھی وہ ہدایت پر ہو، اور دوسروں کو بھی ہدایت پر آنے کی دعوت دے رہا ہو، اگر ان صفات کا بندہ ہو تو اس کو روکنا تو اور زیادہ کمینگی کی بات ہے۔

شریعت نماز سے روک سکتی ہے

یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات ایسے ہیں جن میں شریعت نے ہی نماز پڑھنے سے منع کر دیا ہے، مثلاً فجر کی نماز کے بعد سے لے کر طلوع آفتاب تک نفلیں پڑھنا منع ہے، اب اگر کوئی نادانی کی وجہ سے اس وقت نفلیں پڑھ رہا ہے، اور دوسرا شخص اس کو نماز سے روکے کہ بھائی، یہ نماز کا وقت نہیں ہے، اس وقت نماز پڑھنا جائز نہیں ہے تو یہ شریعت کی اور اللہ کے حکم کی تعمیل ہے۔ اس طرح عین اس وقت جب آفتاب طلوع ہو رہا ہو، یا غروب ہو رہا ہو، یا زوال کا وقت ہو، ان تین اوقات میں شریعت نے نماز پڑھنے کی ممانعت کی ہے، اور تعالیٰ

۲۱۶

کا حکم یہ ہے کہ ان اوقات میں نماز نہ پڑھو۔

تقدس اللہ کے حکم سے آتا ہے

اس ممانعت کے ذریعہ دراصل یہ بتانا منظور ہے کہ کوئی عمل اپنی ذات میں تقدس نہیں رکھتا، اگر کسی عمل میں تقدس آتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے آتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ فرمائیں کہ نماز پڑھو، اس وقت نماز پڑھنے میں تقدس ہے، اور جب اللہ تعالیٰ فرمائیں کہ نماز مت پڑھو، اس وقت نماز چھوڑنے میں تقدس ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ حکم نہیں ہے۔ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تین اوقات ایسے ہیں، جن میں نماز پڑھنا منع ہے، ایک طلوع آفتاب کے وقت، ایک غروب آفتاب کے وقت، اور ایک استویٰ کے وقت جب سورج بالکل سر کے اوپر ہو، جسے ہم زوال کا وقت کہتے ہیں، ان میں نماز پڑھنا منع ہے، اسی طرح فجر کے بعد یا عصر کے بعد قضا نمازیں تو پڑھنا جائز ہے، لیکن نفل نمازیں اس وقت میں منع ہیں، نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

ورنہ نماز سے روکنا بڑا جرم ہے

بہر حال! اگر کوئی آدمی ان اوقات ممنوعہ کی وجہ سے کسی کو نماز پڑھنے سے روکے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ وہ شریعت کے حکم کے مطابق روک رہا ہے، یا مثلاً کسی شخص نے کسی ایسی جگہ پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنی شروع کر دی،

۲۱۸

سے منہ موڑا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ۝۱۳

کیا اس کو پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ یعنی اس کا یہ کہنا بھی دیکھ رہا ہے، اس کا یہ انداز بھی دیکھ رہا ہے، اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ گستاخی کرنا بھی دیکھ رہا ہے، یہ چھوٹی سی تنبیہ اللہ تعالیٰ نے فرمائی کہ کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے تو چونکہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرنے والے ہیں، لہذا حق کو بھی جانتا ہے، باطل کو بھی وہ جانتا ہے، انصاف کو بھی وہ جانتا ہے، نا انصافی کو بھی وہ جانتا ہے، صرف اتنی بات بھی ایک باہوش انسان کے لئے کافی ہونی چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے تو میں کوئی ایسا اقدام نہ کروں، جو کل کو میرے لئے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنے۔

ہم ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں

اس کے ذریعہ ہم سب کو بھی یہ سبق دیدیا گیا کہ جب بھی کوئی کام کرو تو یہ سوچ کر کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ بات بٹھا دے کہ ہم ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں، ہماری کوئی نقل و حرکت، ہماری کوئی حرکت و سکون، زبان سے نکلنے والی کوئی بات، اعضاء سے صادر ہونے والا

۲۱۷

جس سے دوسرے لوگوں کو تکلیف ہو رہی ہے، مثلاً راستے میں نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا اور لوگوں کا راستہ بند کر دیا، ایسا کرنا منع ہے اور ناجائز ہے، اگر کوئی شخص اس کو اس جگہ پر نماز پڑھنے سے روکے تو اس میں کوئی حرج نہیں، بہر حال! اگر کوئی شخص دوسرے کو نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق روکے، یا نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق روکے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر کوئی شخص ٹھیک ٹھیک نماز پڑھ رہا ہے اور صحیح وقت میں نماز پڑھ رہا ہے تو اس کو روکنا کسی طرح بھی مناسب نہیں، اسی لئے فرمایا کہ:

أَمَّا عَيْتٌ إِنْ كَانَ عَلَى الْهَدْيِ ۝۱۴ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ۝۱۵

ذرا یہ بتاؤ کہ جس شخص کو روکا جا رہا ہے وہ ہدایت کے مطابق نماز پڑھ رہا ہے، وہ اپنی طرف سے غلط وقت میں اور غلط طریقے سے نماز نہیں پڑھ رہا ہے، اس کو روکنا کتنا بڑا جرم ہے۔

نماز سے روکنے والے کا حال

پھر آگے فرمایا:

أَمَّا عَيْتٌ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝۱۶

ذرا یہ بھی تو دیکھو کہ روکنے والے کا کیا حال ہے؟ جس کو روکا جا رہا ہے، اس کا حال تو یہ ہے کہ وہ خود بھی ہدایت پر ہے اور دوسروں کو بھی ہدایت کی طرف بلا رہا ہے، اور جو شخص روک رہا ہے اس کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کئے ہوئے حکم کو جھٹلا رہا ہے، اور اس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت

۲۲۰

کروں، جس کی وجہ سے پکڑا جاؤں۔ مجھے اس وقت خیال آیا کہ یہاں یہ بورڈ دیکھ کر سب لوگ چوکنے ہو گئے ہیں: اور اپنی ہر نقل و حرکت پر نگاہ کئے ہوئے ہیں کہ کوئی غلطی سرزد نہ ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے چودہ سو سال پہلے ہی فرما دیا تھا کہ:

أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ۖ

کیا انسان کو پتہ نہیں ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا O (احزاب: ۲) یہ اعلان قرآن کریم نے ہمارے لئے چودہ سو سال پہلے کر رکھا ہے، تو جس طرح وہاں بورڈ دیکھ کر لوگ چوکنے ہو جاتے ہیں، کاش اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کے اندر یہ احساس پیدا فرما دے کہ ہر آن ہماری نگرانی ہو رہی ہے، ہر آن ہمیں دیکھا جا رہا ہے تو ہماری زندگی سنور جائے۔

اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ ورنہ!!

آگے اللہ تعالیٰ نے ابو جہل کی اس حرکت پر فرمایا:

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهُ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۖ نَاصِيَةٍ
كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۖ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۖ سَنَدْعُ
الزَّبَانِيَةَ ۖ كَلَّا ۖ (سورہ العلق: ۱۸-۱۵)

”کلا“ کا لفظ عربی زبان میں بڑا معنی خیز ہے، اردو ترجمہ کر کے اس کے پورے مفہوم کو ادا کرنا بھی آسان نہیں ہے، اس کا لفظی ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ ”ہرگز نہیں“، یعنی اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اگر وہ اپنی اس حرکت سے

۲۱۹

کوئی عمل، ایسا نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں نہ ہو، اگر یہ بات ہمارے دلوں میں بیٹھ جائے تو ہماری زندگی سنور جائے، ہم سے گناہ سرزد نہ ہوں۔ گناہ ہم سے اس لئے سرزد ہوتے ہیں کہ ہم اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں۔

تمہاری نگرانی ہو رہی ہے

امریکہ کے خلائی جہازوں کا مرکز ”ناسا“ جو ”ہوبیسٹن“ کے قریب بہت بڑا مرکز ہے، سالہا سال پہلے ایک مرتبہ مجھے وہاں جانے کا اتفاق ہوا، وہاں سے خلائی جہاز اڑائے جاتے ہیں، میں نے دیکھا کہ وہ بہت حساس جگہ ہے، اور تمام خلائی جہازوں کا کنٹرول وہاں سے ہوتا ہے، اور دیکھنے والوں کو وہ لوگ بالکل کنٹرول روم تک لیجاتے ہیں، وہاں پر یہ دکھاتے ہیں کہ خلائی جہازوں کو کس طرح کنٹرول کیا جاتا ہے، اتنی حساس جگہ ہے، لیکن وہاں پر نہ کوئی پولیس، نہ فوج، نہ چوکیدار، نہ حفاظتی عملہ، نہ کوئی چیکنگ۔۔۔ یہ میں ۹/۱۱ سے پہلے کی بات کر رہا ہوں، لیکن جب ہم عمارت میں داخل ہوئے تو وہاں پر ایک بہت بڑا بورڈ لگا ہوا تھا، اور اس بورڈ پر یہ لکھا ہوا تھا:

Your are being watched.

یعنی تمہاری نگرانی ہو رہی ہے۔۔۔ یعنی کسی اور جگہ بیٹھ آپ کی ایک ایک نقل و حرکت کو دیکھا جا رہا ہے کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔۔۔ یہ بورڈ پڑھ کر ہر آدمی چوکنے ہو جاتا ہے کہ میں سیدھے سیدھے چلوں، اور کوئی ایسی ناروا حرکت نہ

۲۲۱

اور اپنی ان دھمکیوں سے باز نہ آیا جو وہ نبی کریم ﷺ کو دے رہا ہے، تو ہم ضرور اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے، پیشانی کے بال اگر لمبے ہوں، اور کسی کے ہاتھ میں آجائیں تو آدمی اس کے آگے مجبور ہو جاتا ہے، اور یہ پیشانی جھوٹ بولنے والی اور خطا کار پیشانی ہے۔ اور وہ جو یہ کہہ رہا ہے کہ میرے بہت سے حمایتی ہیں، میرا بڑا کنبہ ہے تو وہ اپنے حمایتیوں کو بلا لے۔ اپنی ساری مجلس کو، اپنے سارے مجمع کو بلا لے۔ ہم بھی اپنے فرشتوں کے دستوں کو بلا لیں گے، ”الرَّبَّانِيَّةُ“ فرشتوں کے ایک دستہ کا نام ہے۔ اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے، کیونکہ اگر فرشتے آگئے تو اس کے بعد پھر کسی کی مجال نہ ہوگی، چاہے اس کا کتنا ہی بڑا گروہ ہو، کتنا ہی بڑا لشکر ہو، وہ ان فرشتوں کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔

پھر دھمکی دینا چھوڑ دی

چنانچہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد ابو جہل نے دھمکی دینا چھوڑ دیا تھا، اور کبھی اگر وہ اس کے بعد ایسی دھمکی دیتا تو فرشتے لوگوں کے سامنے آ کر اس کی بوٹیاں نوچ لیتے۔ یہی معنی ہیں اس آیت کے ”سَنَدْعُ الرَّبَّانِيَّةَ“ ۷۸ ”ہم ”ربانیہ“ کو یعنی فرشتوں کو بلا لیں گے۔

سجدہ کرو اور میرے پاس آ جاؤ

آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۲۲۲

كَلَّا لَا تَتَّخِذْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝١٩

حضور اقدس ﷺ سے خطاب ہے کہ ہرگز نہیں، ان کی کبھی بات نہ ماننا، یعنی اب بھی نہیں مانی، پہلے بھی نہیں مانی، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی طرف التفات بھی مت کرنا، اور اس کو قابلِ اعتناء بھی مت سمجھنا۔ اور سجدہ کرو، اور میرے پاس آ جاؤ۔ یہ اتنا پیارا جملہ ہے جس پر اس سورت کو ختم فرمایا ہے، اس سے یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے کا سب سے اعلیٰ ترین ذریعہ سجدہ ہے، چنانچہ حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى فِي السُّجُودِ،
فَاكْثَرُوا فِيهِ الدُّعَاءَ

کہ بندہ اپنے اللہ سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے، لہذا سجدہ کی حالت میں کثرت سے دعا کیا کرو۔

سجدے میں دعائیں مانگنا

فرائض میں تو اختصار مطلوب ہے، اس لئے فرائض میں سجدہ کے اندر معروف تسبیح ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ پر اکتفا کرنا زیادہ بہتر ہے، لیکن نفلی نمازوں کے اندر حضور اقدس ﷺ سے بھی ثابت ہے، اور صحابہ کرام W سے بھی، اور اس حدیث سے بھی ثابت ہے کہ نفلی نمازوں میں دعائیں مانگنی چاہئیں، نبی کریم ﷺ سے سجدے کی حالت میں کی ہوئیں بہت سی دعائیں منقول ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ ۲ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں بیدار ہوئی، اور

۲۲۲

دعائیں بھی سجدے کی حالت میں مانگی جاسکتی ہیں، مگر عربی زبان میں ہونی چاہئیں، اس لئے کہ نماز عربی میں ہوتی ہے، لہذا عربی زبان میں جتنی چاہیں دعائیں کرے، اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

فَاكْثَرُوا فِيهِ الدُّعَاءَ

سجدہ کا مقام بلند

اس لئے کہ سجدے کی حالت میں بندے کا اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ قریبی رشتہ قائم ہوتا ہے، اس لئے فرمایا کہ سجدہ کرو، اور میرے پاس آ جاؤ، اتنے پیارے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کوئی بندہ یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے قریب جانا چاہتا ہوں تو اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اس کا آسان راستہ ہے، وہ یہ کہ میرے آگے سجدہ کرو، اور قریب آ جاؤ۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ سجدے کی لذت سے آشنا فرماتے ہیں۔ وہ تو کہتے ہیں کہ:

سر بر قدم حسن، قدم ہر کلاہ و تاج

یعنی جب آدمی سجدہ کرتا ہے، اور اللہ کی بارگاہ میں پیشانی ٹیکتا ہے تو ساری کائنات اس کے قدم کے نیچے ہوتی ہے۔ سجدہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام عطا فرمایا ہے:

سجدے کی مسنون تسبیح

اور سجدے میں جو تسبیح مسنون ہے وہ یہ ہے:

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى

۲۲۳

نبی کریم ﷺ کو میں نے قریب نہیں پایا، تو میں آپ ﷺ کو تلاش کرنے لگی، کمرے میں اندھیرا تھا، میں نے ہاتھ سے ٹٹولا تو میرا ہاتھ نبی کریم ﷺ کے پاؤں کے انگوٹھے پر پڑا، آپ ﷺ اس وقت سجدہ کی حالت میں تھے، اور طویل سجدہ فرما رہے تھے، اور سجدہ میں آپ ﷺ یہ دعا فرما رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخِطِكَ، وَبِمَعَا فَاتِكَ مِنْ عِقُوْبَتِكَ

اے اللہ! میں آپ کی ناراضگی سے آپ کی رضامندی کی پناہ مانگتا ہوں، اور آپ کے عذاب سے آپ کی معافی کی پناہ مانگتا ہوں۔

تو حضور اقدس ﷺ سے سجدہ کی حالت میں بہت سی دعائیں ثابت ہیں۔

سجدے کی دعائیں

قرآن کریم کی جو دعائیں ہیں جیسے یہ دعا:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً
وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۵۱﴾ (بقرہ، آیت ۲۰۱)

اور جسے یہ دعا:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَاَسْرِ افْتَا فِیْ اَمْرِ نَا وَثَبِّتْ
اَقْدَامَنَا (آل عمران: ۱۳)

یہ دعائیں بھی سجدے کی حالت میں مانگی جاسکتی ہیں، اور جو دعائیں نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں، جو مسنون دعاؤں کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں، وہ

۲۲۵

بندہ اپنے آپ کو سب سے نیچے ڈال کر، اپنی پیشانی کو اس کے آگے ٹیک کر باری تعالیٰ کی علوشان کا قصیدہ پڑھتا ہے کہ: ”سُبْحَانَكَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ پاک ہے میرا پروردگار جو سب سے اعلیٰ ہے، جب اس کا واسطہ دے کر سجدے کی حالت میں دعا مانگی جاتی ہے، تو وہ دعا انشاء اللہ مقبول ہے، لہذا کثرت سے سجدہ کرنا، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہ بات بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس جملہ کے اندر سکھا دی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب کوئی پریشانی پیش آتی تو جلد از جلد نماز کی طرف رجوع کرتے تھے، تاکہ نماز کے دوران جب سجدے میں جائیں گے تو اس وقت عرض معروض پیش کریں گے اور دعا کریں گے۔

اعلیٰ ترین وظیفہ

آج کل لوگ عملیات اور وظیفوں کے چکر میں پڑے رہتے ہیں، لیکن سب سے اعلیٰ ترین وظیفہ یہ ہے کہ جب کوئی پریشانی ہو، جب کوئی حاجت پیش آئے تو اس موقع کے لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ دو رکعت صلاۃ الحاجت پڑھو، اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤ، اور اللہ تعالیٰ سے مانگو، اس سے بہتر وظیفہ، اس سے بہتر کوئی اور عمل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۲۲۶

ہم سب پر سجدہ واجب ہو گیا

یہاں یہ بات بھی عرض کر دوں کہ یہ آخری آیت جو میں نے ابھی آپ کے سامنے پڑھی ہے، یہ سجدہ تلاوت کی آیت ہے، اور جب یہ آیت تلاوت کی جائے تو تلاوت کرنے والے پر بھی سجدہ واجب ہو جاتا ہے، اور سننے والے پر بھی سجدہ واجب ہو جاتا ہے، البتہ اگر ایک ہی مجلس میں یہ آیت بار بار پڑھی گئی ہو، یا بار بار سنی گئی ہو، تو ایک ہی سجدہ کافی ہوتا ہے، میں نے یہ آیت کئی مرتبہ پڑھی ہے، لیکن چونکہ ایک ہی مجلس میں پڑھی ہے، اس لئے ہم سب کے ذمہ ایک سجدہ کرنا واجب ہو گیا، اور بہتر یہ ہے کہ جلد از جلد کر لیا جائے۔

آؤ سب مل کر سجدہ کریں

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم ؓ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، اور اس کے دوران انہوں نے ایک ایسی تلاوت کی، جس کی تلاوت پر سجدہ کرنا واجب ہوتا ہے، تو آپ ؓ نے اسی وقت تمام حاضرین سے فرمایا کہ ہم پر سجدہ واجب ہو گیا ہے، آؤ سب مل کر سجدہ کرو۔ آج ہم اس سنت پر عمل کر لیتے ہیں، اس بیان کے اختتام پر سب لوگ سجدہ کر لیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ مِنْ
شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ
إِذَا وَقَبَ ۝۳ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثِ فِي
الْعُقَدِ ۝۴ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا
حَسَدَ ۝۵

انسان سب سے بہترین مخلوق ہے

(تفسیر سورۃ الاستین)

1

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی



میمن اسلامک پبلشرز

۲۳۰

تَقْوِيمٍ ۚ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۖ إِلَّا
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ
مَمْنُونٍ ۖ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالذِّينِ ۚ أَلَيْسَ
اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ ۝ (سورہ واستین)

آمَنْتُ بِاللَّهِ صَدَقَ اللَّهُ مَوْلَانَا الْعَظِيمَ، وَصَدَقَ
رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ، وَنَحْنُ عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ
وَالشَّاكِرِينَ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

سورة واستین کا خلاصہ

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! یہ سورۃ واستین ہے جو ابھی میں نے
آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، یہ سورت بھی بکثرت نمازوں میں پڑھی جاتی
ہے، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نماز
ادا کرتے ہیں، وہ بار بار یہ سورت سنتے رہتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کو یہ سورت
یاد بھی ہوتی ہے، اس مبارک سورت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کی تخلیق
اور اس کی پیدائش کے بارے میں اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا ذکر بھی
فرمایا ہے، اور ساتھ میں یہ بھی بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین
صلاحیتوں کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ لیکن جو لوگ ان صلاحیتوں کو غلط استعمال
کرتے ہیں اور ان صلاحیتوں کو صحیح طور پر کام میں نہیں لاتے، ان کا انجام یہ ہوتا
ہے کہ وہ بدترین مخلوق بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف

۲۲۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

انسان سب سے بہترین مخلوق ہے

تفسیر سورۃ واستین

1

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ
سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
يُضِلِّهِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسَدَنَّا وَنَبِيَّنَا
وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ، صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ
وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۞

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۞

وَالَّذِينَ وَالَّذِينَ ۚ وَالَّذِينَ ۚ وَالَّذِينَ ۚ وَالَّذِينَ ۚ
الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۚ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ

۲۳۲

بات پر یقین دلانے کے لئے کسی قسم کی ضرورت نہیں، عام طور پر قسم وہ شخص کھاتا ہے جس کی بات پر لوگوں کو بھروسہ نہ ہو۔ اور لوگوں کو اندیشہ ہو کہ وہ بات غلط کہہ رہا ہے، تو پھر وہ قسم کھا کر اپنی بات کی تائید کرتا ہے اور اس بات میں زور پیدا کرتا ہے اور لوگوں کو اپنی بات کا یقین دلاتا ہے، اللہ جل شانہ جب کوئی بات ارشاد فرمائیں تو جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو، اس کو کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ لہذا اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کے کھانے کی ضرورت نہیں۔

یقین دلانے کیلئے قسم کھائی

بعض اوقات اللہ تعالیٰ اس غرض سے قسم کھاتے ہیں تاکہ سننے والے کے دل میں آگے آنے والی بات کی اہمیت پیدا ہو، جس طرح انسان ایک دوسرے کو قسم کے ذریعہ اپنی بات کا یقین دلاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اسی انداز میں انسان سے خطاب کرتے ہوئے اس کو مزید یقین دلانے کے لئے اور مزید تاکید کے لئے بعض اوقات قرآن کریم میں مختلف چیزوں کی قسمیں کھاتے ہیں۔ عام طور پر تو یہ ہوا ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی ہے اگر ان پر غور کیا جائے تو جو بات قسم کے بعد کہی جا رہی ہے وہ قسم اس کی دلیل ہوتی ہے، اور عربی زبان کی بلاغت اور فصاحت کا بھی ایک تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے، تاکید پیدا کرنے کے لئے، اور مؤثر بنانے کے لئے قسمیں کھائی جاتی ہیں۔

۲۳۱

المخلوقات بنایا ہے۔ بہترین مخلوق بنایا ہے، لیکن اگر انسان ان صلاحیتوں کا غلط استعمال کرے تو وہ بدترین مخلوق بن جاتا ہے۔ یہ بات وہ ہے جو تمام انبیاء کرام تمام انسانوں کو شروع ہی سے بتاتے چلے آ رہے ہیں۔ یہ اس سورت کا خلاصہ اور مرکزی مضمون ہے۔

چار چیزوں کی قسم

لیکن قرآن کریم نے اس بات کو مدلل اور مؤثر انداز میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِينَ وَالِذِّبُتُونَ ۝ وَ طُورِ سِينِينَ ۝ وَ هَذَا
الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ
تَقْوِيمٍ ۝

ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے پہلے چار چیزوں کی قسم کھائی، فرمایا کہ قسم ہے انجیر کی، اور قسم ہے زیتون کی، اور قسم ہے کوہ طور کی صحراء سینا میں واقع ہے، اور قسم ہے اس امن والے شہر یعنی مکہ معظمہ کی۔ ان چار چیزوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو بہترین تقویم کے ساتھ بہترین توام کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یہ بات بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو قسم کھانے کی ضرورت نہیں

ان قسموں کا کیا مطلب ہے؟ پہلی بات تو یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی

۲۳۴

سینین کا حوالہ دے کر حضرت موسیٰ u کی شریعت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اور ان کی طرف اتاری گئی کتاب تورات کی طرف اشارہ ہے اور حضرت موسیٰ u کی تعلیمات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

بلدا مین سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ

اس کے بعد فرمایا: ”وَهَذَا الْبَلَدُ الْآمِنُ“ یہ امن کا شہر یعنی مکہ مکرمہ، اس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور مکہ ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے کا آغاز ہوا، اور مکہ مکرمہ ہی کے پہاڑ کے غار حرا میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل فرمانا شروع کیا۔ لہذا اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب کی طرف اشارہ ہے۔ گویا کہ ان تینوں شریعتوں کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ آگے جو بات کہی جا رہی ہے یہ وہ بات ہے جو حضرت عیسیٰ u نے بھی اپنی امت کو پہنچائی تھی، اور حضرت موسیٰ u نے بھی اپنی امت کو پہنچائی تھی، اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کو پہنچائی۔ اس طرح تینوں شریعتوں کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی قسم کھائی ہے۔

زیادہ قسمیں کھانے سے بچو

یہاں ایک بات اور سمجھ لینے کی ہے، وہ یہ کہ انسان اس لئے قسم کھاتا ہے

۲۳۳

انجیر اور زیتون کی قسم سے حضرت عیسیٰ u کی طرف اشارہ

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے انجیر کی، زیتون کی، اور طور سینین یعنی کوہ طور کی اور اس امن والے شہر یعنی مکہ مکرمہ کی قسم کھائی ہے، حضرات مفسرین نے فرمایا کہ درحقیقت اگر غور کیا جائے تو ان چار چیزوں کی قسموں کے ذریعہ درحقیقت تین مختلف انبیاء کرام q کی تعلیمات کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت عیسیٰ u جہاں پیدا ہوئے، اور جہاں ان پر انجیل نازل ہوئی، اور جہاں پر انہوں نے اپنے دین کی دعوت و تبلیغ فرمائی، وہ ”فلسطین“ کا علاقہ ہے اور یہ وہ علاقہ ہے جہاں انجیر اور زیتون بکثرت پیدا ہوتا ہے، ساری دنیا میں اس وقت سب سے بہترین زیتون اور سب سے بہترین انجیر کثرت کے ساتھ ”فلسطین“ میں پائے جاتے تھے۔ لہذا انجیر اور زیتون سے درحقیقت اس سرزمین کی طرف اشارہ ہے جہاں یہ بکثرت پیدا ہوتے ہیں، یعنی ”فلسطین“ اور ”فلسطین“ کا حوالہ دے کر درحقیقت حضرت عیسیٰ u کی شریعت کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ u جو پیغام لے کر آئے تھے۔ اس کی قسم کھائی جا رہی ہے۔

طور سینین سے حضرت موسیٰ u کی طرف اشارہ

اس کے بعد فرمایا: ”وَطُورَ سَيْنِينَ“ صحرائے سینا میں طور پہاڑ ہے، یہ وہ پہاڑ ہے جس کے اوپر حضرت موسیٰ u اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے، اور اسی کوہ طور پر حضرت موسیٰ u کو تورات تختیوں کی شکل میں عطا فرمائی گئی۔ لہذا طور

۲۳۵

تا کہ دوسرے لوگوں کو اس بات کا یقین آجائے کہ جو بات میں آگے کہہ رہا ہوں، وہ درست ہے۔ لیکن ساتھ ہی شریعت کا حکم یہ ہے کہ اول تو زیادہ قسمیں کھانا اچھی بات نہیں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں یہ ہدایت عطا فرمائی ہے کہ زیادہ قسمیں کھانے سے بچو، کیونکہ جو آدمی زیادہ قسمیں کھانے کا عادی بن جاتا ہے تو بسا اوقات اس کو جھوٹ اور سچ کی پرواہ نہیں رہتی۔ اور انسان اگر سچی قسم کھا رہا ہو، تب بھی الفاظ میں کمی بیشی ہو جاتی ہے، اس کی وجہ سے وہ قسم الٹی پڑ جاتی ہے، اس لئے بلا وجہ سچی قسمیں بھی نہیں کھانی چاہئیں، اور جھوٹی قسم کھانا تو بہت بڑا گناہ ہے۔

کس چیز کی قسم کھانا جائز ہے؟

اور اگر کبھی قسم کھانا ہی پڑ جائے تو صرف وہی قسم جائز ہے جو یا تو اللہ تعالیٰ کے نام پر کھائی گئی ہو، یا قرآن کریم کی قسم کھائی گئی ہو، بس، اس کے علاوہ اور کسی مخلوق کی قسم کھانا، چاہے وہ مخلوق کتنا ہی بڑا پیغمبر ہو، اس کے نام کی قسم کھانا شریعت میں جائز نہیں۔ زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ رائج تھا کہ لوگ اپنے باپ کی قسم کھایا کرتے تھے کہ میرے باپ کی قسم۔ میری ماں کی قسم، اور لوگوں کی زبانوں پر قسم کے یہ الفاظ چڑھے ہوئے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ“ یعنی اپنے باپ کے نام کی قسم مت کھاؤ، کیونکہ اللہ کے سوا کسی اور مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں۔

۲۳۶

اللہ کیلئے مخلوق کی قسم کھانا جائز ہے

لیکن یہ حکم ہمارے لئے ہے، جن کو اپنی بات کا یقین دلانے کے لئے قسم کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو تو قسم کھانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ اس بنیاد پر قسم کھاتے ہیں کہ جس چیز کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ اگر تم اس پر غور کرو گے تو آگے جو بات کہی جا رہی ہے، وہ ثابت ہو جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ بہت سی ایسی چیزوں کی قسمیں کھاتے ہیں جو مخلوقات میں سے ہیں۔ جیسے یہاں پر انجیر کی، زیتون کی اور کوہ طور کی قسم کھائی، اور یہ ساری چیزیں مخلوقات میں سے ہیں، یہ درحقیقت کلام میں زور اور تاکید پیدا کرنے کے لئے کھائی گئی ہیں، لیکن ہمارے لئے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔

سب سے بہترین مخلوق انسان ہیں

بہر حال! ان چار چیزوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ ایک حقیقت بیان فرما رہے ہیں:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝

یعنی یقینی طور پر ہم نے انسان کو بہترین قوام کے ساتھ پیدا کیا ہے، اور سب سے بہترین ترکیب کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یعنی اس کائنات میں جتنی مخلوقات پائی جاتی ہیں، چاہے وہ چاند ہو، سورج ہو، آسمان ہو، زمین ہو، بادل

۲۳۸

ناک ہے، وہی منہ ہے، وہی پیشانی ہے، لیکن ہر ایک کے اندر ذرا ذرا سا فرق پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے امتیاز پیدا کر دیا ہے، یہ ہے ”أَحْسَنَ تَقْوِيمٍ“

انسان کی ایک اور خصوصیت

دنیا کے اندر جو حیوانات ہیں، ان میں سے کوئی پیٹ کے بل چلتا ہے۔ جیسے حشرات الارض، سانپ وغیرہ ہیں، کوئی جانور چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ چار پاؤں پر چلے بغیر ان کا گزارہ نہیں، لہذا اگر وہ سیدھے کھڑا ہونا چاہیں تو سیدھے کھڑے نہیں ہو سکتے، بعض پرندے ایسے ہیں جو دو ٹانگوں پر چلتے ہیں، لیکن اچک اچک کر چلتے ہیں، ان کے اندر دو ٹانگوں پر چلنے کی استطاعت نہیں، لیکن انسان واحد مخلوق ہے کہ اگر دو ٹانگوں پر کھڑا ہونا چاہے تو کھڑا ہو جائے، بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جائے، لیٹنا چاہے تو لیٹ جائے۔

انسان پوری نماز پڑھ سکتا ہے

بزرگوں نے فرمایا کہ انسان ہی ایک مخلوق ہے جو پوری نماز پڑھنے پر قادر ہے، قیام وہ کر سکتا ہے، رکوع وہ کر سکتا ہے، سجدہ وہ کر سکتا ہے، قعدہ وہ کر سکتا ہے، اور جتنی مخلوقات ہیں۔ مثلاً گائے بھینس بکریاں وغیرہ کہ وہ قیام نہیں کر سکتیں، اور جب قیام نہیں کر سکتیں تو رکوع کیسے کریں؟ اور سجدہ کیسے کریں؟ لہذا یہ قیام اور رکوع اور سجدہ یہ صرف انسان ہی کر سکتا ہے، انسان کے علاوہ کوئی اور مخلوق اس کائنات میں ایسی نہیں ہے جو صحیح معنی میں قیام اور رکوع اور سجدہ کر سکیں۔ اللہ

۲۳۷

ہو، ہوائیں ہوں، سمندر ہو، دریا ہو، یا دوسرے حیوانات ہوں، ان سب کے مقابلے میں سب سے بہترین مخلوق انسان ہے، اس سے زیادہ حسین اور اس سے زیادہ بہترین کوئی اور مخلوق نہیں، وہ اللہ جو اس پوری کائنات کے خالق ہیں، اور اس کائنات کا ذرہ ذرہ جن کی مشیت اور قدرت سے پیدا ہوا ہے، وہ یہ فرما رہے ہیں کہ اس کائنات میں انسان سے زیادہ بہترین مخلوق کوئی اور پیدا نہیں کی۔

انسان کا پورا جسم احسن تقویم کی دلیل

اگر تم انسان کے جسم پر سر سے لے کر پاؤں تک غور کرو تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تصدیق ہوتی ہے، سر سے لے کر پاؤں تک انسان کا جو وجود ہے، ان میں سے ہر ہر عضو باقاعدہ ایک کائنات ہے، جو لوگ علم ابدان سے اور علم طب سے واقف ہیں۔ ان کو یہ حقیقت معلوم ہے کہ کسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے، کس طرح انسان کا دماغ بنایا ہے، کس طرح اس کی آنکھیں بنائی ہیں، کس طرح اس کی ناک بنائی ہیں، کس طرح اس کے جسم میں رگیں پھیلانی ہیں، اور کس طرح اس کا چہرہ جو ایک بالشت کے برابر ہے، بنایا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اربوں پدموں انسان بنائے، لیکن کسی دو انسانوں کی شکل ایک جیسی نہیں ہوتی، ہر چہرہ میں فرق ہے، جس کی وجہ سے آپ پہچان لیتے ہیں کہ یہ فلاں انسان ہے، اور یہ فلاں انسان ہے، حالانکہ وہی آنکھ ہے، وہی

۲۴۰

بیوی چاند سے زیادہ حسین

اس میں ایک لطیفہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ ایک شخص عیسیٰ بن موسیٰ اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اور چودھویں رات کا چاند چمک رہا تھا، اس نے بیوی کی تعریف کرتے ہوئے یہ جملہ کہہ دیا کہ اگر تم چاند سے زیادہ حسین نہ ہو تو تمہیں طلاق، یہ جملہ اس کے منہ سے نکل گیا، بعد میں بڑا پچھتاہیا کہ میں نے یہ کیا جملہ کہہ دیا، اور اب یہ ثابت کرنا کہ میری بیوی چاند سے زیادہ خوبصورت ہے، یہ بہت مشکل کام ہے، کہیں میری بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگئی ہو، چنانچہ بیوی نے اس سے پردہ کر لیا، اور اٹھ کر اندر چلی گئی، اور کہا کہ آپ نے مجھے طلاق دیدی ہے۔ بات تو ہنسی اور دل لگی کی تھی، مگر طلاق کا حکم یہی ہے کہ کسی طرح بھی طلاق کا صریح لفظ کہہ دیا جائے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے، چاہے ہنسی اور دل لگی ہی سے کہا گیا ہو۔

طلاق واقع نہیں ہوئی

عیسیٰ بن موسیٰ نے رات بڑی بے چینی اور کرب و غم میں گزاری، صبح کو خلیفہ وقت ابو جعفر منصور کی خدمت میں حاضر ہوئے، چونکہ دربار کے مخصوص لوگوں میں سے تھے، اور اپنا قصہ سنایا، اور پریشانی کا اظہار کیا۔ خلیفہ منصور نے شہر کے فقہاء اور اہل فتویٰ کو جمع کیا، اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا، سب نے ایک جواب دیا کہ طلاق ہوگئی، کیونکہ چاند سے زیادہ حسین ہونا کسی انسان کے

۲۳۹

تعالیٰ نے یہ مخلوق ایسی بنائی ہے، جو چلتی بھی ہے، کھڑی بھی ہوتی ہے، اور بیٹھتی بھی ہے، لیٹتی بھی ہے، رکوع بھی کرتی ہے، سجدہ بھی کرتی ہے، غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بے شمار صلاحیتیں اس مخلوق کو عطا فرمائی ہیں۔

انسان کو عقل بھی عطا فرمائی

پھر دوسری مخلوق دیکھنے میں چاہے کتنی ہی خوبصورت معلوم ہوں، لیکن ان مخلوقات کے اندر عقل اور سمجھ نہیں، اچھے برے کی ان کے اندر تمیز نہیں، اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے بہترین اعضاء کے نواز کے ساتھ اس کو عقل بھی عطا فرمائی، جو اچھے برے کے اندر تمیز کر سکتی ہے کہ کونسا کام اچھا ہے، کونسا کام برا ہے، ان کے درمیان تمیز کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اس کو عقل عطا فرمائی ہے۔ لہذا ساری کائنات میں سب سے بہترین صلاحیتوں والی مخلوق اگر کوئی ہے تو وہ انسان ہے۔ اسی عقل کے نتیجے میں انسان اپنے سے زیادہ طاقت والی مخلوق کو اپنے تابع کر لیتا ہے، مثلاً گائے بھینس کو اگر طاقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ انسان سے کئی گنا زیادہ ہے۔ گھوڑا کئی گنا طاقت والا ہے، لیکن انسان کا ایک بچہ اس کے منہ میں لگام ڈال کر اس کے اوپر سوار ہو جاتا ہے، اور جہاں چاہتا ہے اس کو لے جاتا ہے، بہر حال! اس عقل کی وجہ سے انسان کو ساری دوسری مخلوقات پر فوقیت اور فضیلت حاصل ہے۔ اس لئے فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ﴿۱﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ
 النَّاسِ ② إِلَهِ النَّاسِ ③ مِنْ شَرِّ
 الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ④ الَّذِي
 يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ⑤
 مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ⑥

لئے ممکن ہی نہیں۔ مگر ایک عالم جو امام حنیفہ a کے شاگرد تھے، خاموش بیٹھے رہے، خلیفہ منصور نے ان سے پوچھا کہ آپ خاموش کیوں ہیں؟ پھر وہ بولے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورۃ ”والنہین“ کی تلاوت کی، اور فرمایا: امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا ”أَحْسَنَ تَقْوِيمٍ“ میں ہونا بیان فرمایا ہے، لہذا کوئی شئی اس سے زیادہ حسین نہیں، یہ سن کر تمام علماء فقہاء حیرت میں رہ گئے، کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی، اور منصور نے حکم دیدیا کہ طلاق نہیں ہوئی۔ (ماخوذ از معارف القرآن، ج ۸، ص ۷۷۵)

بشرطیکہ اپنی صلاحیتوں کو صحیح استعمال کرے

بہر حال! اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم نے انسان کو کائنات کی سب سے زیادہ حسین اور سب سے احسن اور اشرف المخلوقات بنایا ہے، بشرطیکہ وہ اپنی صلاحیتوں کو صحیح استعمال کرے، آگے اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ اگر ان صلاحیتوں کو صحیح استعمال نہ کرے تو اس کا کیا انجام ہوتا ہے، اور ان صلاحیتوں کو صحیح استعمال کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اشرف المخلوقات بنایا ہے، تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس افضلیت کا حق ادا کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے کہ ہم انسان بن کر زندگی گزاریں، کتے اور بلی بن کر زندگی نہ گزاریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ انشاء اللہ باقی آیات کی تشریح اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا فرمائی تو اگلے بیانات میں عرض کروں گا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○

آیۃ الکرسی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ
سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْأَرْضِ ۚ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ
يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا
يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ
كَرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ۚ وَلَا يَئُودُهُ
حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿٢٥٥﴾

برے اعمال والا ”اَسْفَلُ السَّافِلِيْنَ“ میں ہوگا

(تفسیر سورۃ البقرہ)

2

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی



میمن اسلامک پبلشرز

۲۴۶

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ
عَزِيزٌ مَّسْنُونٌ ۖ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالذِّينِ ۚ
أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ ۚ

(سورہ الاستین، آیت ۸۳ تا ۸۴)

آمَنْتُ بِاللَّهِ صَدَقَ اللَّهُ مَوْلَانَا الْعَظِيمَ، وَصَدَقَ
رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ، وَنَحْنُ عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ
وَالشَّاكِرِينَ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز! سورۃ الاستین کی تشریح گزشتہ جمعہ
میں شروع کی تھی، اس کی تشریح کو مکمل کرنے کا ارادہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے
مطابق اس کی صحیح تشریح کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین — جیسا کہ میں نے
عرض کیا تھا کہ اس سورت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے چار چیزوں کی قسم کھائی ہے،
ایک انجیر کی، ایک زیتون کی، ایک کوہ طور کی، جس پر حضرت موسیٰ ؑ کو تورات
عطا کی گئی تھی، اور ایک مکہ مکرمہ کے شہر کی — اور ان چار چیزوں کی قسم کھانے
سے درحقیقت تین انبیاء کرام ؑ کی تعلیمات کی طرف اشارہ ہے —

تین انبیاء ؑ کی طرف اشارہ سے مقصد

انجیر اور زیتون، یہ دونوں ”فلسطین“ میں بہت کثرت سے پیدا ہوتے
ہیں، ان سے اشارہ ارض ”فلسطین“ کی طرف ہے جہاں حضرت عیسیٰ ؑ

۲۴۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

برے اعمال والا ”أَسْفَلُ السَّافِلِينَ“ میں ہوگا

تفسیر سورۃ الاستین

2

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ
سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا
وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ، صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ
وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ *

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ *

وَالنَّبِيِّنَ وَالرَّيُّوْنَ ۚ وَطُورِ سَيْنِينَ ۚ وَهَذَا
الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۚ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ
تَقْوِيمٍ ۚ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۚ إِلَّا

۲۴۷

تشریف لائے، اور طور سیناء یہ ایک پہاڑ ہے جو صحرائے سینا میں واقع ہے، اور اس پر حضرت موسیٰ u پر تورات نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ u کو ہم کلامی کا شرف وہیں عطا فرمایا اور ”وَهَذَا الْبَيْتُ الْأَمِينُ“ یہ امن والا شہر یعنی مکہ مکرمہ یہ نبی کریم ﷺ کی دعوت کا مرکز تھا۔ اس سے آپ ﷺ کی شریعت اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی طرف اشارہ ہے۔ ان چار چیزوں کی قسمیں کھا کر یہ بتلایا جا رہا ہے کہ آگے جو بات کہی جا رہی ہے یہ وہ بات ہے جو حضرت عیسیٰ u نے بھی اپنی امت کو سمجھائی تھی، اور حضرت موسیٰ u نے بھی اپنی امت کو سمجھائی تھی، اور نبی کریم ﷺ نے بھی اپنی امت کو سمجھائی ہے۔ اور یہ تمام انبیاء p کی ایک مشترکہ تعلیم ہے۔

انسان کو عقل عطا فرمائی

وہ تعلیم یہ ہے کہ: ”لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ“ یقین جانو کہ ہم نے انسان کو بہترین ترکیب کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یعنی جتنی مخلوقات اس کائنات میں موجود ہیں، ان میں سب سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ خوبصورت اور حیرت انگیز مخلوق انسان کو بنایا ہے۔ جانوروں میں اگرچہ طرح طرح کے جانور پائے جاتے ہیں۔ بعض ان میں سے بد صورت ہیں، اور بعض میں بہت خوبصورت ہیں۔ لیکن ان کے اندر وہ طاقتیں نہیں ہیں جو طاقتیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر پیدا فرمائی ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ

۲۴۸

انسان ہی وہ مخلوق ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمائی ہے۔ دوسرے جانوروں میں تھوڑا بہت شعور ہے، احساس ہے۔ لیکن عقل نہیں جو انسان کو کیا کچھ ایجاد کرنے کی صلاحیت عطا کرتی ہے۔ اس عقل کی بدولت انسان نے بڑے بڑے طاقتور جانوروں کو اپنے تابع بنا رکھا ہے، گھوڑا ہے، ایک بچہ اس کے منہ میں لگام ڈال کر اس پر سواری کرتا رہتا ہے، حالانکہ گھوڑا انسان کے مقابلے میں بڑا طاقتور جانور ہے۔ گائے بھینس ہیں، ان کی طاقت کے آگے انسان کی طاقت کچھ نہیں، لیکن انسان نے ان کو اپنا تابع فرمان بنا رکھا ہے۔ ان سے دودھ نکالتا ہے، ان سے اپنے منافع حاصل کرتا ہے، یہ سب عقل کی بدولت ہے، جو عقل اللہ تعالیٰ نے انسان کو دی ہے، اس کی بدولت بڑے بڑے طاقتور جانوروں کو اپنے تصرف میں لے آتا ہے۔ اور اپنے تابع بنالیتا ہے۔

انسان کے اعضاء میں توازن

یہ عقل جانوروں میں حیوانات میں کسی اور کے پاس نہیں ہے، سوائے انسان کے، بہر حال! اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسا بنایا ہے کہ اس کے اعضاء بھی متناسب اور موزون ہیں، ایسا نہیں کہ اس کی ناک لمبی ہو، اور کان چھوٹے ہوں، یا کان لمبا ہو، اور ناک چھوٹی ہو، بلکہ ایک توازن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کے اعضاء بنائے ہیں اور جسم کا اندرونی کارخانہ بھی ایسا بنایا ہے کہ جس سے اس کی زندگی قائم رہتی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ اس کو عقل بھی عطا ہے، اور اس

کام برا ہے۔

انسان سب سے افضل کب بنے گا؟

جب انسان اپنی ان تمام صلاحیتوں کو ٹھیک ٹھیک بروئے کار لاتا ہے، مثلاً غصہ پر اسی جگہ عمل کرتا ہے جہاں اس کی ضرورت ہوتی ہے، غصہ کو بے جگہ استعمال نہیں کرتا۔ شہوت کو اسی جگہ استعمال کرتا ہے، جہاں اس کی ضرورت ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، غلط جگہ پر استعمال نہیں کرتا۔ اپنی عقل کو، اپنی سوچ سمجھ کو، اپنے اعمال و افعال کو، اپنی طاقتوں کو انہی جگہوں پر استعمال کرتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہیں۔ تو یہ انسان ”أَحْسَنُ تَقْوِيمٍ“ میں داخل ہو جاتا ہے، یعنی تمام کائنات میں سب سے زیادہ افضل، سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ اشرف مخلوق بن جاتا ہے۔

غصہ کا غلط استعمال

لیکن اگر انسان ان صلاحیتوں کو غلط استعمال کرے، مثلاً اس جگہ غصہ کر رہا ہے، جہاں غصہ نہیں کرنا چاہیے تھا، اور اس جگہ پر غصہ کا استعمال کر رہا ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا (الاسراء: ۲۳)

یعنی اپنے والدین کو کبھی اُف نہ کہنا، اور کبھی جھڑکنا نہیں۔ یعنی کبھی

عقل کی بدولت انسان بڑی بڑی چیزوں کو اپنا تابع بنا لیتا ہے۔ اس سمندر کے آگے انسان کی کیا حقیقت ہے، لیکن اس سمندر میں تیرنا، اس میں کشتی چلانا، اور جہاز بنا کر اس کے اندر چلانا اس کو آگیا، ہوائی جہاز بنا کر فضا کے اندر چلا دیئے۔ یہ سب اس عقل کی بدولت ہوا جو عقل اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہے۔

انسان کو تمیز اور شعور عطا کیا

یہ عقل ایسی چیز ہے جس کے نتیجے میں انسان پوری کائنات کی ساری مخلوقات سے زیادہ افضل ہو گیا، اور اسی عقل کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اس کو اچھے اور برے کی تمیز بھی عطا فرمادی، کونسی چیز اچھی ہے، کونسی چیز بری ہے، کونسا فعل اچھا ہے، کونسا فعل برا ہے، اور پھر اس انسان کے اندر تمام قوتیں رکھیں، اس کو بھوک بھی لگتی ہے، اس کے دل میں جنسی خواہشات بھی پیدا ہوتی ہیں، اس کو غصہ بھی آتا ہے، اور سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں بھی اس کے اندر دوسرے جانوروں کے مقابلے میں زیادہ رکھی ہیں۔ اور اس سوچ اور سمجھ کو صحیح رخ پر ڈالنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے ہیں، انبیاء کرام q تشریف لائے ہیں، ان پر وحی اتاری ہے۔ اور ان کے ذریعہ انسان کو یہ بتایا ہے کہ ہم نے تمہیں عقل تو دیدی ہے۔ لیکن یہ عقل تمہیں بعض اوقات غلط راستے پر بھی لیجا سکتی ہے، لہذا اس عقل کو شریعت کے تابع رکھو، اور انبیاء کرام q کی تعلیم کے مطابق اس عقل کو استعمال کرو گے تب تمہیں پتہ چلے گا کہ کونسا کام اچھا ہے۔ کونسا

۲۵۲

شخص اس کو غلط جگہ پر استعمال کرے تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں، اور آنکھوں کا زنا یہ ہے کہ آدمی ان آنکھوں کو غلط استعمال کرے، اور غیر محرم عورتوں کو دیکھ ان سے لذت حاصل کرے، یا عورتوں کی تصویریں دیکھ کر ان سے لذت حاصل کرے۔ اللہ بچائے۔ آج کل یہ فتنہ بہت پھیلا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔ یہ عمل انسان کو اس کے اشرف المخلوقات کے درجے سے نیچے گرا دیتا ہے۔

ورنہ وہ حیوان سے بدتر ہے

اللہ تعالیٰ نے یہ ہاتھ پاؤں اس لئے دیے ہیں تاکہ جائز طریقے سے ان کے ذریعہ روزی کمائے، اگر حرام طریقے سے روزی کمانا شروع کر دے گا تو یہ ہاتھ پاؤں کا غلط استعمال ہے، اس صورت میں یہ انسان اشرف المخلوقات کے درجے سے نیچے گر جائے گا۔ بہر حال! اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم نے تو انسان کو بہترین ترکیب، اور بہترین اجزاء کے ساتھ، بہترین صلاحیتوں کے ساتھ، بہترین قوتوں کے ساتھ پیدا کیا تھا، لیکن ”ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ“ پھر ہم نے اس کو نیچے سے بھی نیچے درجے گرا دیا۔ دنیا میں اس طرح نیچے گرا دیا کہ جب اس نے اپنی صلاحیتوں کو اور اپنی قوتوں کو غلط استعمال کیا تو وہ حیوان سے بدتر ہو گیا، کتے اور بلی سے بھی بدتر ہو گیا، اس لئے کہ کتے اور بلی کو تو اللہ تعالیٰ نے عقل ہی نہیں دی، اور جب عقل نہیں دی، تمیز نہیں دی تو اس کے اوپر

۲۵۱

والدین کے اوپر غصہ نہیں کرنا۔ اگر کوئی آدمی اپنے والدین پر غصہ کرتا ہے، اور ان کو جھڑکتا ہے تو یہ غصہ کا غلط استعمال ہے۔

شہوت کا صحیح اور غلط استعمال

اسی طرح شہوت جو انسان کی فطرت میں داخل ہے، انسان کو عورت کی طرف ایک رغبت ہوتی ہے، اسی رغبت کا نام شہوت ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک حلال راستہ عطا فرما دیا ہے کہ جو تمہاری بیوی ہے، اس کے ساتھ تم اپنی خواہشات کو پورا کر سکتے ہو۔ اگر اس شہوت کو اس حلال جگہ پر استعمال کرتا ہے، تو نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ باعث ثواب ہے۔ لیکن اس شہوت کے جذبہ کو اگر انسان ناجائز جگہ پر استعمال کرے، مثلاً غیر محرم عورتوں کے ساتھ بے حیائی کا ارتکاب کرے، یا کم از کم اپنی نگاہ کو لذت حاصل کرنے کی غرض سے غیر محرم پر ڈالے، بدنظری کرے، اللہ تعالیٰ بچائے۔ یہ اس قوت کا غلط استعمال ہے، اور اس صورت میں انسان اشرف المخلوقات کی فہرست سے گر جاتا ہے۔

نگاہ کا صحیح استعمال اور غلط استعمال

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ایک شوہر اپنے گھر میں داخل ہوا، اور اس نے اپنی بیوی کو محبت کی نگاہ سے دیکھا، اور بیوی نے شوہر کو محبت کی نگاہ سے دیکھا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کیونکہ دونوں اپنی نگاہ کو صحیح جگہ پر استعمال کر رہے ہیں، لیکن اگر کوئی

۲۵۴

ہاں، وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے، اللہ کے پیغمبروں پر، اور نبی کریم ﷺ کی تعلیم پر، آپ ﷺ کی ہدایات پر، قرآن کریم کی تعلیمات پر ایمان لائے۔ اور انہوں نے نیک عمل کئے۔ نیک عمل کرنے کا کیا مطلب؟ یعنی جو صلاحیتیں ہم نے ان کو عطا کی تھیں۔ ان کو ٹھیک ٹھیک شریعت کے دائرے میں رہ کر، اللہ کے حکم کے مطابق، اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق ان صلاحیتوں کو استعمال کیا، اور حلال کو حلال جانا، اور حرام کو حرام جانا، اور حرام سے اپنے آپ کو بچا کر اللہ کے حکم کے مطابق زندگی گزاری، ان کے لئے ایک ایسا انعام ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ یعنی جنت کی نعمتیں، کیونکہ وہ ایک دفعہ ملنے کے بعد کبھی ختم نہیں ہوگی، اور کبھی واپس نہیں لی جائیں گی۔

دنیا کی نعمتیں آنی جانی ہیں

انسان کو دنیا کی نعمتوں کے بارے میں ہر وقت یہ دھڑکے اور اندیشہ لگا ہوتا ہے کہ یہ نعمتیں ختم ہو جائیں گی، صحت کی نعمت اس وقت حاصل ہے، لیکن وہ نعمت چھن گئی، اور بیماری آگئی، جوانی کی نعمت حاصل ہے، یہ نعمت چھن گئی، اور بڑھاپا آگیا، زندگی کی نعمت اس وقت حاصل ہے، یہ نعمت چھن گئی اور موت آگئی۔ کبھی مال آگیا، کبھی مال چلا گیا، کبھی دولت مل گئی، اور کبھی آدمی محتاج ہو گیا۔ یہ دنیاوی نعمتیں آتی جاتی رہتی ہیں۔

۲۵۳

حلال و حرام کی ذمہ داری بھی نہیں ڈالی کہ یہ کام تمہارے لئے حلال ہے، یہ کام حرام ہے۔ کتے اور بلی کے لئے حلال و حرام کچھ نہیں ہے، خنزیر اور بھیڑ کے لئے حرام اور حلال کچھ نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل ہی نہیں دی۔ لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل دی، تمیز دی، سمجھ دی، اور پھر وہ ان اعضاء کو غلط استعمال کر رہا ہے تو وہ انسان کتے اور بلی سے بھی بدتر ہے۔ دنیا میں "أَسْفَلَ السَّافِلِينَ" یہ ہے۔

آخرت میں جہنم میں پھینک دیا جائے گا

اور آخرت میں "أَسْفَلَ السَّافِلِينَ" یہ ہوگا کہ جہنم کے نچلے سے نچلے طبقے میں اس کو ڈال دیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی رضا میں استعمال کرنے کے بجائے اس کی ناراضگی کے کاموں میں استعمال کیا، گناہوں میں استعمال کیا، اپنی بہترین صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کیں۔ اس لئے اس کا بدلہ یہ ہے کہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں اس کو پھینک دیا جائے گا۔

صلاحیتوں کو صحیح استعمال کرنے پر اجر و ثواب

پھر آگے فرمایا:

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ
غَيْرُ مَسْنُونٍ ۝

۲۵۵

جنت کی نعمتیں ابدی ہیں

لیکن جنت کی نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے تیار فرمائی ہیں وہ کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں۔ اوّل تو وہ زندگی ہمیشہ کی زندگی ہوگی، وہاں کبھی موت نہیں آئے گی، جوانی ہے تو وہ ہمیشہ رہے گی، کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا، اور جنت میں تمام انسانوں کو جوان بنا کر داخل کیا جائے گا، اور وہ جوانی کبھی ختم نہیں ہوگی، اور جو نعمتیں وہاں عطا ہو گئیں، وہ ہمیشہ کے لئے عطا ہو گئیں، کبھی ان نعمتوں کے ختم ہونے کی نوبت نہیں آئے گی۔

وَرَنَ أَصْفَلُ السَّافِلِينَ میں چلا جائے گا

بہر حال! اللہ جل شانہ نے اس پوری سورۃ والتمین میں پوری کائنات کا نظام بتا دیا کہ ہم نے یہ نظام ایسا بنایا ہے کہ ہم نے ہی ساری مخلوقات پیدا کی ہیں، لیکن انسان کو سب سے بہترین مخلوق بنا کر پیدا کیا ہے، جسمانی اعتبار سے بھی، ذہنی اعتبار سے بھی، صلاحیتوں اور قوتوں کے اعتبار سے بھی بہترین مخلوق بنایا، اور اس کو اچھے برے کی تمیز دی ہے۔ لہذا اگر وہ اچھائی کے ساتھ زندگی گزارتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق زندگی گزارتا ہے تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ ”لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ“ اس کو ایسا بدلہ ملے گا جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہوگا، اور اگر اس نے غلط طریقے سے زندگی گزاری اور اپنی صلاحیتوں کو غلط طریقے سے استعمال کیا تو وہ ”أَصْفَلُ السَّافِلِينَ“ میں چلا جائے گا۔

۲۵۶

پھر قیامت سے انکار کیوں؟

آگے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں:

فَمَا يَكْذِبُكَ بَعْدُ بِالذِّينِ ۝

وہ کیا چیز ہے جو تمہیں جزا اور سزا کے جھٹلانے پر آمادہ کر رہی ہے؟ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے یہ نظام بنا دیا ہے تو اس کا منطقی تقاضہ یہ ہے کہ ایک وقت ایسا ہونا چاہیے جس میں اچھے انسان کو اس کی اچھائی کا انعام ملے، اور برے انسان کو اس کی برائی کا بدلہ ملے۔ کیونکہ اگر یہ نہ ہو تو اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اچھے اور برے کے درمیان کوئی تمیز نہیں رکھی ہے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت سے ناممکن ہے کہ ایک نیک، متقی اور پارسا اور اچھے کام کرنے والے کو، اور ایک بدکار کو برابر کر دے، یہ نہیں ہو سکتا، لہذا کوئی دن ایسا ہونا چاہئے جس میں اچھے انسان کو اچھائی کا بدلہ ملے، اور برے انسان کو برائی کا بدلہ ملے، جب یہ بات عقلی ہے تو کون سی ایسی چیز ہے جو تمہیں اس بات پر آمادہ کر رہی ہے کہ تم روز جزا کا انکار کرو، اور یہ کہو کہ قیامت نہیں آئے گی، اور کوئی جزا و سزا نہیں ہوگی۔

وہ تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے

آگے فرمایا:

أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ ۝

کیا اللہ تعالیٰ تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے؟ یعنی دنیا کا ایک

۲۵۸

سورت تلاوت کیا کرتے تھے، اور حضرت فاروق اعظم ؓ سے منقول ہے کہ جب بیت اللہ کے سامنے نماز پڑھتے تو بکثرت یہ سورت تلاوت کرتے، کیونکہ اس سورت میں شہر مکہ کا ذکر بھی آیا ہے۔ بہر حال! اگر آدمی عشاء کی نماز میں یہ سورت اس نیت سے پڑھے کہ حضور اقدس ﷺ بکثرت عشاء کی نماز میں یہ سورت تلاوت کیا کرتے تھے تو انشاء اللہ اتباع سنت کا ثواب بھی ملے گا، اور جو باتیں اس کی تشریح میں عرض کی گئیں ہیں، ان کا بھی دھیان کر لے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہترین مخلوق بنا کر پیدا کیا ہے، ہمیں بہتر صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، ان صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں خرچ کرنا چاہیے، اور حرام کاموں سے اور گناہوں کے کاموں سے بچانا چاہیے، تاکہ ہم ”السَّافِلِينَ“ کا مصداق نہ بنیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○



۲۵۷

معمولی حاکم بھی بے انصافی کو گوارہ نہیں کرتا، یعنی وہ بھی اس بات کو گوارہ نہیں کرتا کہ سب اچھے برے ایک جیسے ہو جائیں۔ تو جو تمام حاکموں کا حاکم ہے، وہ کیسے یہ گوارہ کر سکتا ہے کہ اچھے انسان کو اچھائی کا بدلہ نہ ملے، اور برے انسان کو برائی کا بدلہ نہ ملے۔ لہذا ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب تمہیں ہر قول و فعل کا جواب دینا ہوگا، اور اس کا نتیجہ بھی تمہیں بھگتنا ہوگا۔

سورة والتین کے ختم پر یہ کہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص ”سورة والتین“ پڑھے اور آخری آیت پڑھے ”اَلْکَیْسُ اللّٰهُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ“ اس آیت میں درحقیقت یہ سوال ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں؟ تو اس وقت سورة ختم کر کے وہ شخص کہے:

بَلٰی۔ وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰہِدِیْنَ

کیونکہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہیں، لہذا اس سورت کا یہ ادب ہے کہ جب آدمی اس سورت کی تلاوت کرے تو آخر میں یہ کہہ دے:

بَلٰی۔ وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰہِدِیْنَ

سورة والتین کی اہمیت

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ عشاء کی نماز میں بکثرت یہ

سورۃ انعام کی پہلی تین آیات کو صبح و شام پڑھنے کی فضیلت

جو بندہ سورۃ انعام کی پہلی تین آیات صبح یا شام میں پڑھے گا تو (۱) چالیس ہزار فرشتے قیامت تک عبادت کریں گے جس کا ثواب اس بندہ کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ (۲) اللہ ایک فرشتہ مقرر کر دیتے ہیں جو شیطان کے وسوسہ ڈالنے پر اس کے منہ پر کوڑا مارتا ہے تو شیطان اور بندے کے درمیان پردے گر جاتے ہیں۔ (۳) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: بندے امیرے عرش کے سائے میں تھے اپنی جنت کے میوے کھلاؤں، حوض کوثر سے پانی پلاؤں اور سلسبیل کے چشمے سے تھجے نہلاؤں۔ (بحوالہ: اعمال کے فضائل و برکات، بزبان حاجی عبدالوہاب صاحب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ثُمَّ
الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّہُمْ یَعْدِلُوْنَ ۝
هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰی
اَجَلًا ۚ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَہٗ ثُمَّ
اَنْتُمْ تَنْتَرُوْنَ ۝ وَ هُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ
فِی الْاَرْضِ ۚ یَعْلَمُ سِرَّکُمْ وَ جَہَرَکُمْ
وَ یَعْلَمُ مَا تَکْسِبُوْنَ ۝

جوانی میں آخرت کیلئے تیاری کرلو

(تفسیر سورۃ الاستین)

3

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی



میمن اسلامک پبلشرز

۲۶۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جوانی میں آخرت کیلئے تیاری کرلو

تفسیر سورہ الاستین

3

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ، صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ*

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ*

وَالرَّيُّنِ وَالرَّيُّنِ ۝ وَ طُورِ سِينِينَ ۝ وَ هَذَا
الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ
تَقْوِيمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۝ إِلَّا

۲۶۲

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ
مَمْنُونٍ ۝ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالذِّينِ ۝ أَلَيْسَ
اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ ۝ (سورہ الاستین)
آمَنْتُ بِاللَّهِ صَدَقَ اللَّهُ مَوْلَانَا الْعَظِيمُ، وَصَدَقَ
رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ، وَنَحْنُ عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ
وَالشَّاكِرِينَ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز! یہ سورہ الاستین ہے جس کی کچھ
تشریح گزشتہ دو جمعوں میں کی گئی ہے، اور آج اسی کو مکمل کرنا مقصود ہے۔
جیسا کہ گزشتہ جمعہ میں عرض کیا تھا کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھا کر یہ
بات بیان فرمائی ہے کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر پیدا کیا ہے
اور پھر اس انسان کو ’اَسْفَلَ السَّافِلِينَ‘ میں ڈال دیا، سوائے ان لوگوں کے
جو ایمان لائے، اور جنہوں نے نیک کام کئے۔

انسان کو سب سے بہترین مخلوق بنانے کا ایک مطلب

اس کا ایک مطلب تو وہ ہے جو میں نے پچھلے جمعہ میں عرض کیا تھا کہ انسان
کو بہترین سانچے میں ڈھال کر پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ظاہری شکل
و صورت بھی دوسرے جانوروں سے بہتر ہے، اور اس کی صلاحیتیں بھی دوسرے
جانوروں کے مقابلے میں بہتری ہیں، اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے،

۲۶۴

مالک ہے، اور وہ جو چاہتا ہے، کر گزرتا ہے، اس زمانے میں وہ ”احسن تقویم“ کی صفت سے متصف ہوتا ہے۔

بڑھاپے میں ”اَسْفَلُ السَّافِلِیْنَ“ کی صفت

لیکن جب اس کی عمر ڈھل گئی، اور بڑھاپا شروع ہو گیا، تو رفتہ رفتہ اس کی قوتیں جواب دینے لگتی ہیں، اور بڑھاپے میں ایک مرحلہ ایسا آتا ہے جس میں اس کی ساری قوتیں تقریباً نہ ہونے کے برابر ہو جاتی ہیں، اور وہ نقل و حرکت میں بھی دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے۔ اس کو کھانا پینا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ چلنا پھرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے، اس کی صورت بھی بگڑ جاتی ہے، جوانی کے عالم میں بہترین خوبصورت انسان تھا۔ لیکن جب بڑھاپے کے آخری مرحلے پر پہنچا تو چہرے پر جھریا پڑ گئیں، کھال لٹک گئی، آنکھیں بے نور ہو گئیں۔ اب کانوں سے سنائی نہیں دیتا۔ غرض یہ کہ ہر طرح قوتیں اس طرح ختم ہو جاتی ہیں کہ وہ بد سے بدتر حالت کو پہنچ جاتا ہے۔ جس کو قرآن کریم نے ”اَزْدَلِ الْعَبْرِ“ (سورہ النحل: ۷۰) سے تعبیر کیا ہے۔

عبرت آموز واقعہ

اس کے ذریعہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ جو خوبصورتی عطا کی ہے، یا تمہیں جو صلاحیتیں عطا کی ہیں، یہ ہمیشہ رہنے والی نہیں ہیں، ایک وقت آئے گا کہ اس میں قوی سے قوی انسان بھی کمزور ہو جائے گا، میرے ایک عزیز

۲۶۳

شعور دیا ہے، اچھے برے کی تمیز دی ہے، اگر کوئی انسان ان صلاحیتوں کو صحیح استعمال نہیں کرتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال کرتا ہے تو وہ انسان اپنے آپ کو ”اشرف المخلوقات“ سے گرا کر ”اَسْفَلُ السَّافِلِیْنَ“ میں لے جاتا ہے۔ یعنی دنیا میں بھی وہ انسان جانوروں سے بھی بدتر ہے، جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ کفر اختیار کرتے ہیں، وہ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ البتہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں، اور اپنی صلاحیتوں کو صحیح استعمال کرتے ہیں، تو وہ لوگ ”اشرف المخلوقات“ ہی میں داخل رہتے ہیں، اور ان کو آخرت میں بھی بڑا اجر و ثواب ملے گا، جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ یہ وہ تفسیر تھی جو میں نے گزشتہ جمعوں میں عرض کی تھی۔

”جوانی میں“ ”احسن تقویم“ کی صفت حاصل ہے

ان آیات کی ایک دوسری تفسیر یہ بھی ہے جو بہت سے مفسرین نے بیان فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ یہ جو فرمایا کہ ہم نے بہترین سانچے میں ڈھال کر انسان کو پیدا کیا، اور پھر اس کو لوٹا کر نخلی سے نخلی حالت میں لے آئے، اس نخلی سے نخلی حالت سے مراد ”سخت بڑھاپے“ کی حالت۔ جب تک انسان جوان ہے، اس کے سارے قوی مضبوط ہیں، دیکھنے میں بھی اچھا لگتا ہے، خوبصورت بھی ہے، خوش شکل بھی ہے، اس کی ساری قوتیں بھی بحال ہیں، وہ بڑے عزم و ارادہ کا

۲۶۵

تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، آمین۔ وہ اپنی جوانی میں اپنی طاقت اور قوت کے لحاظ سے پورے خاندان میں مشہور تھے، اتنے طاقتور تھے کہ برف کی سل پر ایک ہاتھ مار کر اس کے دو ٹکڑے کر دیتے تھے، اور تر بوز کو کبھی چھری سے نہیں کاٹتے تھے، بلکہ ہاتھ مار کر اس کے دو ٹکڑے کر دیتے تھے۔ آخر عمر میں بیمار ہوئے، میں ان کی عیادت کے لئے گیا تو انہوں نے بڑی مشکل سے ہاتھ اٹھا کر مصافحہ کیا، اور پھر ایک جملہ کہا کہ دیکھو! یہ وہی شخص ہے جو برف کی سل کو ایک ہاتھ مار کر توڑ دیا کرتا تھا، اور اب مصافحہ کے لئے بھی ہاتھ اٹھانا ایک پہاڑ معلوم ہو رہا ہے۔

جوانی میں نیک عمل کر گزرو

بہر حال! کوئی انسان کتنا ہی طاقتور ہو، کتنا ہی خوبصورت ہو، بڑھاپے میں ایک وقت ایسا آتا ہے جب ساری قوتیں زائل ہو جاتی ہیں، اور انسان کی خوشنمائی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی کی طرف اس سورت میں اللہ تعالیٰ اشارہ فرما رہے ہیں کہ یاد رکھو! ایک وقت ایسا آنے والا ہے، لہذا اس وقت کے لئے تیاری کرو، اور پھر اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جب تک تمہارے اندر ہمت ہے، طاقت ہے، قوت ہے، تو جو کچھ تمہیں نیک عمل کرنے ہیں، وہ اس زمانے کے اندر کر گزرو۔

۲۶۶

نیک لوگوں کا بڑھاپا

خوب سمجھ لیجئے! کہ اگرچہ بڑھاپا نیک لوگوں پر بھی طاری ہوتا ہے۔ قوتیں ان کی بھی کم ہو جاتی ہیں، یا ڈھل جاتی ہیں۔ یا ختم ہو جاتی ہیں اور ان کی ظاہری شکل و صورت میں بھی تغیر واقع ہو جاتا ہے، ان کے چہرے پر بھی جھریاں پڑ جاتی ہیں، ان کی کھال بھی لٹک جاتی ہے۔ لیکن اس حالت میں بھی وہ ”أَسْفَلَ السَّافِلِينَ“ میں نہیں ہوتے، اس کی کئی وجوہات ہیں۔

بڑھاپے میں جوانی کے اعمال لکھے جائیں گے

ایک وجہ تو یہ ہے کہ جب آدمی بڑھاپے میں پہنچتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والا ہے، تو اگر اس نے زندگی میں نیک عمل کئے تھے، تو وہ جو نیک عمل جوانی کے عالم میں کرتا رہا تھا، اگر بڑھاپے کی وجہ سے نہیں کر پا رہا تو اس کے نامہ اعمال میں وہ بھی لکھے جاتے ہیں۔ فرض کرو کہ ایک آدمی جوانی میں تہجد پڑھا کرتا تھا، اشراق اور چاشت پڑھا کرتا تھا، جب بڑھاپا طاری ہو گیا اور کمزور ہو گیا، اب نہ تہجد پڑھی جاتی ہے، نہ اشراق اور نہ چاشت پڑھی جاتی ہے، کیونکہ جوانی کے عالم میں اس نے ان عبادات کی عادت ڈالی ہوئی تھی، تو اب بڑھاپے میں باوجودیکہ وہ بستر پر پڑا ہوا ہے، اور سو رہا ہے، تہجد نہیں پڑھ رہا ہے، لیکن اس کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا۔

ہیں۔ لیکن یہ تکلیفیں کوئی عذاب نہیں، بلکہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت اور مصلحت ہے، جب وہ ان باتوں پر یقین رکھتا ہے تو پھر بڑھاپے کی تکلیفیں بھی اس کے لئے آسان ہو جاتی ہیں، عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ جن لوگوں کی جوانی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق میں گزری، ان کا بڑھاپا باوجود یکہ قوی کمزور ہو گئے، اور صلاحیتیں ختم ہو گئیں، اس کے باوجود ان کے لئے بڑھاپا نسبتاً آسان ہو جاتا ہے، ان کے لوگوں کے مقابلے میں جنہوں نے اپنی جوانی نافرمانیوں میں گزاری۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے۔ آمین۔

کافر کو بڑھاپے کی تکلیف زیادہ ہوتی ہے

تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر ایک آدمی کافر ہے۔ العیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں۔ یا ایک آدمی فاسق و فاجر ہے، اس کو آخرت کی کوئی پرواہ ہی نہیں، اپنی زندگی میں اس نے کبھی حلال و حرام کی فکر ہی نہیں کی، اس پر جب بڑھاپا آتا ہے تو اس کو ایک طرف بڑھاپے کی تکلیف ہوتی ہے، اور دوسری طرف اگر وہ صاحب ایمان نہیں ہے اور آخرت پر اس کا ایمان نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ بس میری زندگی کا انجام یہیں پر ختم ہونا ہے، اس کے بعد کوئی اور زندگی آنے والی نہیں ہے، یہ تو میرا انجام خراب ہو گیا، لہذا اس شخص کے لئے تسلی کا کوئی راستہ نہیں۔

وہ ”اَسْفَلَ السَّافِلِیْنَ“ میں نہیں

ایک آدمی جوانی کے عالم میں مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا عادی تھا، جب بڑھاپا آیا تو وہ مسجد میں آکر جماعت سے نماز پڑھنے سے معذور ہو گیا اور گھر میں نماز پڑھنے پر مجبور ہے۔ اس کو گھر پر نماز پڑھنے پر وہی ثواب ملے گا جو مسجد میں جا کر جماعت سے نماز پڑھنے پر ملتا ہے۔ تو باوجودیکہ وہ شخص ”اَسْفَلَ السَّافِلِیْنَ“ میں اس معنی کر پہنچ گیا کہ قوتیں اس کی ختم ہو گئی ہیں۔ لیکن حقیقت میں وہ ”اَسْفَلَ السَّافِلِیْنَ“ میں نہیں ہے، اس کے سارے جوانی کے اعمال بڑھاپے کے اندر بھی جاری رہیں گے۔

نیک آدمی کیلئے بڑھاپا آسان ہوتا ہے

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو جو صاحب ایمان ہو، اور نیک عمل کئے ہوں، اس کے لئے بڑھاپے کو بھی آسان فرما دیتے ہیں، جس آدمی کے دل میں ایمان نہیں، اور جس آدمی کو نیک اعمال کی توفیق نہیں ہوئی، اور اس کا اللہ تعالیٰ سے رشتہ مضبوط نہیں، ایسا شخص بڑھاپے کو ایک عذاب سمجھتا ہے، اور بڑھاپے میں جو تکلیفیں آتی ہیں، قدم قدم پر ان کا رونا روتا ہے، لیکن جو صاحب ایمان ہے، اور عمل صالح کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے بڑھاپے کو بھی آسان فرما دیتے ہیں، وہ یہ سمجھتا ہے کہ میری عمر کا جو وقت بھی باقی ہے، یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے مجھے عطا فرمایا ہے، تکلیفیں تو دنیا کے اندر آتی ہی

۲۶۹

فسق و فجور میں زندگی گزارنے والے کا بڑھاپا

اور اگر وہ شخص مؤمن ہے، لیکن فسق و فجور میں زندگی گزاری ہے، نافرمانیوں میں زندگی گزاری ہے، تو ایسے شخص کو ایک طرف تو بڑھاپے کی تکلیف ہوتی ہے، اور دوسری طرف اس کو یہ فکر بھی ہوتی ہے کہ اب مجھے اللہ تعالیٰ کے پاس واپس جانا ہے، میں اپنے اعمال کا کیا جواب دوں گا، اس طرح ایسا شخص دوسری تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔

نیک آدمی کا رجوع الی اللہ بڑھ جاتا ہے

اس کے برخلاف جو صاحب ایمان ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو نیک اعمال کی بھی توفیق دی ہے، تو اس حالت میں وہ اس بات پر تو یقین رکھتا ہے کہ مجھے بڑھاپے کی تکلیف تو ہے، لیکن اس زندگی کے بعد ایک ابدی زندگی آنے والی ہے، ایک ایسی زندگی جس میں نہ کبھی بڑھاپا آئے گا اور نہ کبھی کوئی بیماری آئے گی، اور نہ کبھی تکلیف آئے گی، وہ آخرت کی زندگی آنے والی ہے، اور یہ بڑھاپے کے لمحات جو مجھے اس وقت میسر ہیں، اس پر بھی اللہ تعالیٰ مجھے اجر و ثواب عطا فرمانے والے ہیں، ہر تکلیف پر اجر و ثواب لکھا جا رہا ہے، ایسے حالات میں جب آدمی کے ہاتھ پاؤں جواب دے چکے ہوتے ہیں۔۔۔ اس وقت میں ایسا بندہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف زبان سے اور دل سے رجوع کرتا ہے اور اس کی زبان پر ہر وقت ذکر جاری رہتا ہے، اس کی زبان پر ہر وقت توبہ اور

۲۷۰

استغفار جاری رہتا ہے، ایسے شخص کو اطمینان ہوتا ہے کہ یہ بڑھاپا جس طرح میرے اوپر آیا ہے ہر ایک پر آتا ہے، انشاء اللہ اس کا بہترین انجام آخرت میں مجھے بہترین شکل میں ملے گا۔ اس وجہ سے ایسے شخص کے لئے بڑھاپے کی تکلیف آسان ہو جاتی ہے۔۔۔

نیک لوگوں کو دائمی اجر و ثواب

لہذا اور لوگوں کو تو ”اَسْفَلَ السَّافِلِينَ“ میں پہنچنے کے بعد کوئی امید نہیں ہوتی کہ اس سے آگے کوئی بہتری کا راستہ بھی ہوگا۔۔۔ مگر جو ایمان والے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کے لئے ایسا اجر و ثواب ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہوگا۔ یعنی دنیا کے اندر جو نعمتیں انسان کو ملنے والی ہیں، وہ کبھی نہ کبھی ختم ہو جائیں گی، مثلاً جوانی آئی اور ختم ہو گئی، جسم میں طاقت آئی اور ختم ہو گئی، صحت آئی اور چلی گئی، اور بیماری آگئی۔۔۔ لیکن وہ اجر و ثواب ایسا ملے گا جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہیں

پھر فرمایا:

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالذِّينِ ۝

اب بتاؤ کہ آخرت کے دن اور اس کی جزا و سزا سے کون سی چیز ہے جو تمہیں جھٹلانے پر آمادہ کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کر سکتے کہ سارے نیک

دل اور چہرے کو نورانی بنانے

کا مجرب عمل

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ مَثَلُ نُورِهِ
كَمِشْكُوتٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۚ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ
الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ
شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا
غَرْبِيَّةٍ ۚ يَبْكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ ۚ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ
نَارٌ ۖ نُورٌ عَلَى نُورٍ ۚ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن
يَشَاءُ ۚ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۚ وَاللَّهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ (سورہ نور: آیت ۳۵)

اگر آپ کو اپنے دل میں اور چہرے پر نور
پیدا کرنا ہے تو روزانہ مذکورہ آیت ایک
مرتبہ اپنے اوپر پڑھ کر پھونکیں۔

اور بد کو ایک صف میں کھڑا کر دے۔ بلکہ ایک فیصلے کا دن اور جزا و سزا کا دن ضرور
آنا ہے۔ پھر فرمایا:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝

کیا اللہ تعالیٰ تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہیں، دنیا کا ایک معمولی
حاکم بھی اپنے فرمانبردار اور نافرمان کو ایک صف میں کھڑا نہیں کرتا، بلکہ
فرمانبرداروں کو صلہ دیتا ہے، اور نافرمانوں کو سزا دیتا ہے، وہ تو تمام حاکموں سے
بڑھ کر حاکم ہے، وہ یہ کیسے کر سکتا ہے کہ نیک اور بد سب کا انجام ایک ہی کر دے۔

جوانی میں تیاری کرو

لہذا اپنی دنیوی زندگی کے اندر اس انجام کے لئے تیاری اس وقت کرو
جبکہ تمہیں قوت حاصل ہے، اور تمہیں جوانی ملی ہوئی ہے، جب کہ تمہارے اعضا
کام کر رہے ہیں اور جب تک تمہاری قوتیں بحال ہیں۔ اس وقت میں اللہ تعالیٰ
کی طرف رجوع کر کے اس کی فرمانبرداری والی زندگی اختیار کرو۔ اللہ
تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝



ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے کی دعا

آپ ﷺ کی قیمتی وصیت

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور پاک ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ: اے معاذ! واللہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا، اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر فدا، خدا کی قسم میں بھی آپ سے محبت کرتا ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا اے معاذ! میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ کسی نماز کے بعد اس دعا کو نہ چھوڑنا:-

اَللّٰهُمَّ اَعِزَّنِيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔

”اے اللہ! ہماری مدد فرمائیے اپنے ذکر و شکر اور اپنی عبادت پر۔“ (روایت: احمد، ابودود، نسائی، ترمذی، مشکوٰۃ: ص ۸۸، ابن

حبان، حاکم، ابن سنی، عن معاذ بن جبل (t)



حضور ﷺ پر نبوت کی عظیم ذمہ داری

(تفسیر سورۃ الم نشرح)

1

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی



میمن اسلامک پبلشرز

۲۷۶

الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۝ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ (سورہ الم نشرح: ۸۳:۱)

آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيمَ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلَىٰ ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ وَالشّٰكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز، یہ سورۃ الم نشرح ہے جو میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ کچھ عرصہ سے میں نے ان سورتوں کی تشریح کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے، جو عام طور سے نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں، تاکہ کم از کم اجمالی طور پر ان کا مفہوم ذہن میں رہے، اور ان کی تلاوت کے وقت اس کا استحضار رہے، انہی سورتوں میں یہ سورۃ الم نشرح ہے، جس کی میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔

اس سورت کا ترجمہ

یہ سورت حضور اقدس ﷺ کی فضیلت اور آپ ﷺ کا عالی مقام بیان کرنے کے لئے نازل ہوئی، اور اس میں ان نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا جو اللہ جل شانہ نے نبی کریم ﷺ پر مبذول فرمائیں۔ پہلے اس سورت کا میں اجمالی ترجمہ کر دیتا ہوں، اس کے بعد انشاء اللہ اس کی تشریح عرض کروں گا۔ فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝

۲۷۵

بسم الله الرحمن الرحيم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کی عظیم ذمہ داری

تفسیر سورۃ الم نشرح

1

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلِّهِ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُوْلَهُ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ

۲۷۷

اس میں حضور اقدس ﷺ سے خطاب ہے کہ کیا ہم نے تمہاری خاطر تمہارا سینہ کھول نہیں دیا؟ تمہارا سینہ کشادہ نہیں کر دیا؟ _____ وَصَعْنَا عَنْكَ وَدَّمَكَ ۝ اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ ہٹا دیا _____ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی _____ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ اور تمہاری خاطر ہم نے تمہارے تذکرے کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا _____ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ یقین رکھو کہ تنگی کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے، مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے _____ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اسی بات کو دوبارہ دہرایا کہ یقین رکھو کہ مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے _____ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۝ لہذا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جو انعامات عطا فرمائے ہیں ان کے شکر کے طور پر یہ کریں کہ جب آپ ﷺ اپنے فرائض منصبی سے فارغ ہوں تو آپ ﷺ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں تھکائیے _____ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ اور اپنے پروردگار سے لو لگائیے، اور اپنے پروردگار کی طرف رغبت اور شوق کا مظاہرہ کیجئے _____ یہ اس سورت کا ترجمہ ہے۔

نبوت کی عظیم ذمہ داری کا بوجھ

اس سورت میں سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر اپنے اس انعام کا تذکرہ فرمایا ہے کہ ہم نے تمہارے لئے تمہارا سینہ کھول دیا، اور تم پر سے وہ بوجھ ہٹا دیا جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی _____ یہ درحقیقت حضور اقدس

۲۷۸

ﷺ کے مقام نبوت پر فائز ہونے کے بعد آپ ﷺ پر نبوت کی جس عظیم ذمہ داری کا بوجھ تھا۔ وہ یہ کہ پوری دنیا اس وقت گمراہی میں غرق تھی، جس شہر میں آپ ﷺ پیدا ہوئے، وہ کفر میں، شرک میں، بت پرستی میں، قتل و غارت گری میں، فسق و فجور میں حد سے گزرا ہوا تھا، پورا ماحول کفر و ضلالت کی اندھیروں میں بھٹک رہا تھا، ایسے ماحول میں تنہا ایک ذات کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تمہیں اس ماحول میں، اس معاشرے میں، بلکہ ساری دنیا میں انقلاب لانا ہے، اور ان بگڑے ہوئے لوگوں کو راہ راست پر لانا ہے، ان کے عقائد درست کرنے ہیں، ان کے اعمال درست کرنے ہیں، ان کے اندر جو غلط عادتیں پیوست ہو چکی ہیں، ان کو بدلنا ہے _____

چالیس سال کی عمر میں یہ ذمہ داری

اور یہ ہم حکم اس وقت دیا جا رہا ہے جب آپ کی عمر چالیس سال ہو چکی تھی _____ چالیس سال کے بعد عام طور سے انسان کے قویٰ میں رفتہ رفتہ انحطاط آنا شروع ہو جاتا ہے، اگرچہ چالیس سال عمر تک پہنچنے سے پختگی بھی آ جاتی ہے، سوچ سمجھ بھی پختہ ہو جاتی ہے، لیکن اس کے ساتھ انحطاط کا دور بھی شروع ہو جاتا ہے، اور رفتہ رفتہ قویٰ مضحل ہونے لگتے ہیں۔ ایسے وقت میں اتنی بڑی عظیم ذمہ داری سرکارِ دو عالم ﷺ پر سونپی جا رہی ہے _____ اس وقت دنیا میں ظاہری اعتبار سے کوئی مددگار بھی نہیں تھا، اس ذمہ داری کا آپ ﷺ پر کتنا بڑا بوجھ ہوگا اور آپ ﷺ کو اس کی کتنی فکر لاحق ہوگی؟ ہم اور

۲۷۹

آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

ذمہ داریوں کے احساس سے جاڑہ

چنانچہ سورۃ ”اِقْرَأْ“ کی تفسیر میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ جب سرکارِ دو عالم ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو اس عظیم ذمہ داری کے احساس سے آپ ﷺ کو جاڑہ چڑھ گیا، اور بخار ہو گیا، اور جب آپ ﷺ گھر میں تشریف لائے تو اپنی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ ۲ سے فرمایا: زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي۔ مجھے چادر اوڑھاؤ، مجھے چادر اوڑھاؤ، ذمہ داری کا اتنا سخت بوجھ سرکارِ دو عالم ﷺ پر تھا۔ ایک طرف اس بات کا بوجھ کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا، اور ان احکام کے تمام مقتضیات کو سوچنا، اور جو وحی مجھ پر نازل ہو رہی ہے اس کے الفاظ کو بھی بعینہ محفوظ کرنا، اس کے پڑھنے کے طریقے کو بھی محفوظ کرنا، اس کے معانی کو بھی محفوظ کرنا، اس سے جو احکام نکلتے ہیں، وہ احکام بھی یاد رکھنے ہیں۔ یہ سب کام انجام دینے ہیں، جبکہ آپ ”امی“ ہیں۔

امی ہونے کے باوجود یہ ذمہ داری

اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کی ذات مبارک کے ساتھ یہ معجزہ دکھایا تھا کہ آپ ﷺ کو امی بنایا، نہ آپ ﷺ پڑھتے تھے، نہ لکھتے تھے، جو کچھ تھا وہ حافظے میں اور دل میں تھا، قرآن کریم یعنی اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہو رہا ہے، اس کو محفوظ بھی کرنا تھا۔ اس کو یاد بھی رکھنا تھا، اگر کوئی عام آدمی ہوتا تو وہ یہ کرتا کہ

۲۸۰

جو کچھ سنتا، پہلے اس کو کاغذ پر لکھ لیتا۔ اور پھر اس کو یاد کر لیتا۔ لیکن نبی کریم ﷺ نہ لکھ سکتے ہیں۔ نہ پڑھ سکتے ہیں، لہذا لکھ کر یاد کرنے کا کوئی سوال نہیں۔ صرف کان سے سنتا ہے، اور جو کچھ سنتا ہے، اس کو محفوظ رکھتا ہے۔

قرآن کریم کو اس طرح پڑھنا تھا

جب کوئی بچہ قرآن کریم حفظ کرنے بیٹھتا ہے تو بہت جلدی یاد کرنے والا بچہ ہو اور ذہین بچہ ہو، تب بھی اس کو مکمل حفظ کرنے میں کم از کم ڈھائی تین سال لگتے ہیں۔ لیکن حضور اقدس ﷺ کے سامنے کوئی کتاب نہیں، آپ ﷺ پڑھ نہیں سکتے، آپ ﷺ لکھ نہیں سکتے، اور بعض اوقات کئی کئی آیات ایک ساتھ نازل ہوتی تھیں۔ بعض روایات میں ہے کہ سورۃ الانعام پوری کی پوری ایک مرتبہ نازل ہوئی جو تقریباً دیرھ پارے پر مشتمل ہے۔ اب اس کے الفاظ بھی یاد رکھنے ہیں، اور قرآن کریم کے الفاظ بھی ایسے ہیں کہ ان کو پڑھنے کا ایک خاص طریقہ مقرر ہے، یہ نہیں کہ جس طرح چاہا، اس کو پڑھ لیا، وہ طریقہ یہ ہے کہ حضرت جبریل امین u نے حضور اقدس ﷺ کے سامنے جس طرح پڑھا، اس طرح اس کو پڑھنا ہے، چنانچہ آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ:

فَإِذَا قَرَأَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ (القیامۃ: ۱۸)

کہ جب ہم جبریل امین u کے واسطے سے اس کو پڑھیں تو آپ ﷺ اس قرأت کی اتباع کرنی ہے، اور اس طرح آپ ﷺ کو پڑھنا

۲۸۲

محفوظ کروں گا، اور پھر اس گمراہ قوم کے سامنے جو ضلالت اور گمراہی میں ڈوبی ہوئی ہے، اس کو کس طرح پیش کروں گا؟ اور اس کو کس طرح قائل کروں گا؟ اور اس عمل پر مخالفتیں ہوں گی، مجھے ان مخالفتوں کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ میں تنہا کیسے ان کا مقابلہ کروں گا؟ ان ساری ذمہ داریوں کا بوجھ آپ ﷺ کے قلب مبارک پر تھا۔

کیا ہم نے آپ ﷺ کا سینہ نہیں کھول دیا؟

ان آیات میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۖ (الم نشر: ۱)

ہم نے یہ سارا بوجھ اور ان ساری ذمہ داریوں کا احساس اس طرح ختم کر دیا کہ ہم نے تمہارے سینے کو کھول دیا یعنی ہم نے آپ ﷺ کے سینے کو کشادہ کر دیا، اور اتنا کشادہ کر دیا کہ یہ سارے کام اس سینہ مبارک کے اندر سما گئے، اور اس سینہ مبارک کو یہ قوت عطا فرمائی کہ وہ اس قرآن کریم کے الفاظ بھی محفوظ رکھے، اس کے پڑھنے کا طریقہ بھی محفوظ رکھے، اس کے معانی بھی محفوظ رکھے، اس سے نکلنے والے احکام بھی محفوظ رکھے۔ اس طرح ہم نے آپ ﷺ کا سینہ کھول دیا۔ اگر کسی چیز کو اپنی گرفت میں لانے سے انسان اپنے آپ کو عاجز محسوس کر رہا ہو، تو اس وقت انسان کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے، اور اس وقت میں اگر وہ کوئی بات سمجھنا بھی چاہتا ہے تو اس کی سمجھ میں نہیں آتی، یا کوئی بات

۲۸۱

ہے، جس طرح جبریل امین u نے پڑھا۔ جس حرف کو جس طرح انہوں نے ادا کیا، اس حرف کو اسی طرح ادا کرنا ہے۔

قرآن کریم کے علوم محفوظ رکھنا

لہذا صرف الفاظ کو محفوظ نہیں رکھنا، بلکہ ان الفاظ کے پڑھنے کے طریقے کو بھی محفوظ رکھنا ہے اور وہی طریقہ دوسروں کو سکھانا بھی ہے، اور پھر قرآن کریم تو معانی اور معارف کا ایک دریانا پیدا کنارہ ہے، لہذا اس کے ایک ایک لفظ میں جو معانی پوشیدہ ہیں، اور اس میں جو ہدایات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں، ان تمام ہدایات کو سمجھنا بھی ہے، اور پھر ان ہدایات کو دوسروں تک پہنچانا بھی ہے، اور قرآن کریم چونکہ نہ جانے کتنے علوم کا سمندر ہے۔ اس وجہ سے ان سارے علوم کو اپنے پاس محفوظ بھی کرنا ہے۔

قرآن کریم کے احکام بھی محفوظ رکھنا تھے

پھر اس قرآن کریم میں مختلف احکامات عطا فرمائے گئے ہیں۔ فلاں چیز حلال ہے، اور فلاں چیز حرام ہے، اور پھر اس حلال اور حرام کی تفصیل جو وحی غیر متلو کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کو عطا فرمائی گئی، اس کو بھی محفوظ رکھنا ہے، اور ان احکام کی جزئیات بھی محفوظ رکھنی ہیں، یہ سارا کام سرکارِ دو عالم ﷺ پر ڈالا گیا۔ اس لئے ابتداء میں آپ ﷺ کے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ میں ایک امی انسان تنہا ان سارے علوم کو اور ان سارے معارف کو کس طرح

۲۸۴

میں شرح صدر کا دوسرا مفہوم بھی داخل ہے۔ لہذا جب آپ ﷺ کے سامنے مختلف مواقع آئیں گے کہ کونسا راستہ اختیار کرنا چاہئے اور کونسا راستہ اختیار نہیں کرنا چاہئے، تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان میں سے کسی ایک راستے کی طرف آپ کے سینہ مبارک کو کھول دیا جائے گا، اور آپ ﷺ کے اندر قوت فیصلہ عطا کر دی جائے گی، اور اس پر اطمینان عطا فرما دیا جائے گا۔

شرح صدر کا نتیجہ کیا ہوا؟

اب ذرا اس کا اندازہ کیجئے کہ آپ ﷺ کو ایسا شرح صدر، ایسی سینہ کی کشادگی عطا ہوئی کہ اگر آج اس کشادگی کا تصور کریں تو حیرت کے سوا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ کی حیات طیبہ کو دیکھئے کہ نبوت عطا ہونے کے بعد آپ ﷺ کو کل ۲۳ سال ملے، جس میں سے ۱۳ سال مکہ مکرمہ میں گزرے اور دس سال مدینہ طیبہ میں گزرے، ان تین بیس سالوں میں کیا کیا کام انجام دینے تھے؟ ایک طرف تو لوگوں کے عقیدے درست کرنے تھے، لوگوں کو توحید کی طرف لانا تھا، جو لوگ بتوں کے آگے جھک رہے تھے، جنہوں نے بتوں کو اپنا خدا بنایا ہوا تھا، اور جو صدیوں سے اس پر عمل کرتے چلے آ رہے تھے، ان کو بت پرستی سے نکالنا تھا۔ اور اس کے دلائل ان کے سامنے پیش کرنے تھے۔

۲۸۳

یاد کرنا چاہتا ہے، لیکن وہ بات یاد نہیں ہوتی، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا سینہ تنگ ہو رہا ہے، اور اس کے سینے میں وہ باتیں محفوظ نہیں ہو رہی ہیں۔

سینہ کھول دینے کا مطلب

جب اللہ تعالیٰ سینہ کھول دیتے ہیں تو پھر جو چیز سمجھ میں نہیں آرہی تھی، وہ سمجھ میں آنے لگتی ہے، جو چیز پہلے یاد نہیں ہو رہی تھی، وہ اب یاد ہونے لگتی ہے، اور سمجھ میں آنے اور یاد نہ ہونے سے جو کلفت ہو رہی تھی، وہ کلفت اور کوفت زائل ہو جاتی ہے۔ بہر حال! شرح صدر کے ایک معنی تو یہ ہوئے کہ وہ سمجھ آگئی اور وہ بات یاد ہوگئی۔

شرح صدر کے دوسرے معنی

”شرح صدر“ کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ کسی کام پر بعض اوقات انسان تردد میں ہوتا ہے کہ یہ کام کروں یا نہ کروں، اور یہ کام مجھے کرنا چاہئے یا نہیں کرنا چاہئے؟ اس تردد کے وقت انسان کے سینے میں تنگی محسوس ہوتی ہے کہ میں اس کشمکش میں مبتلا ہوں، سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا کروں؟ اس موقع پر اگر اللہ تعالیٰ کسی ایک جانب کو متعین کر کے اس پر انسان کو اطمینان عطا فرما دیتے ہیں کہ تمہیں اس وقت یہ کرنا چاہئے، اس کو بھی ”شرح صدر“ کہتے ہیں، اس لئے کہ جو تردد تھا وہ ختم ہو گیا، اور جو کشمکش تھی وہ ختم ہوگئی اور مجھے اس کام کے کرنے پر اطمینان ہو گیا۔ لہذا اس آیت ”أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۖ“

۲۸۵

بت پرستی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی

آج ہمیں اللہ تعالیٰ نے توحید کی نعمت عطا فرمائی ہوئی ہے، اس لئے بت پرستی کی قباحت ہمارے دلوں میں موجود ہے، لیکن جو لوگ صدیوں سے بت پرستی کی لعنت میں مبتلا ہوں، اور ان کو بت پرستی کی عادت پڑ گئی ہو، اور بچہ پیدا ہوتے ہی اپنے ماں باپ کو بتوں کے سامنے عبادت کرتے ہوئے دیکھتا ہے، اور ان کو اپنا خدا سمجھتا ہے، اس لئے ان کی گھٹی میں یہ بات پڑی ہوئی تھی کہ ان بتوں کو اپنا خدا سمجھنا ہے، اس کے دل سے یہ بات نکالنا، اور اس کو صحیح توحید پر لانا یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داریاں

بہر حال! ایک طرف تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ذمہ داری تھی کہ لوگوں کے دلوں سے بت پرستی کی محبت کو نکالنا ہے اور خدائے واحد کی محبت دل میں ڈالنی ہے۔ اور دوسری طرف یہ ذمہ داری ہے کہ قرآن کریم نازل ہو رہا ہے، اس کو محفوظ رکھنا ہے اور اس کو لوگوں تک بھی پہنچانا ہے، یہ سب کام ایک ایسے زمانے میں کرنے ہیں جس میں کاغذ اور قلم کا استعمال بھی کم ہے۔ اور اس قرآن کریم کی تعلیم بھی دینی ہے، اور اس کے پڑھنے کا طریقہ بھی سکھانا ہے اور اس کے معانی بھی سکھانا ہے۔

۲۸۶

سورة البقرة کے پڑھنے میں ۸ سال لگے

حضرت سعد بن ابی وقاص t جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے سورة البقرة نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۸ سال میں پڑھی کیوں؟ اس لئے کہ وہ فرماتے ہیں:

تَعَلَّمْنَا الْعِلْمَ وَالْعَمَلَ وَالْقُرْآنَ جَمِيعًا

یعنی ہم نے اس تعلیم کے دوران حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کو پڑھنے کا طریقہ بھی سیکھا، اور اس کے معنی بھی سیکھے، اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ بھی سیکھا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تو اس وقت ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام w کی جماعت چھوڑ کر گئے ہیں، ان ایک لاکھ چوبیس ہزار انسانوں کو قرآن پڑھانا ہے، ان کو قرآن پڑھنے کا طریقہ بھی سکھانا ہے، ان کو معانی بھی بتانے ہیں۔

قرآن کریم کی عملی تفسیر کرنی تھی

تیسرا کام یہ تھا کہ اپنے عمل سے قرآن کریم کی تفسیر کا کام کرنا تھا، یعنی اپنے عمل سے یہ بتانا تھا کہ قرآن کریم جو ہدایات دے رہا ہے، وہ صرف عقائد اور عبادات کی حد تک نہیں، بلکہ اپنی گھریلو زندگی کے اندر بھی اور بازاری زندگی کے اندر بھی اللہ کے حکم پر کس طرح عمل کرنا ہے؟ کس طرح اپنی بیوی بچوں کے ساتھ سلوک کرنا ہے؟ اور کس طرح بہن بھائیوں کے ساتھ سلوک کرنا ہے؟ کس طرح عزیز واقارب کے ساتھ معاملہ کرنا ہے؟ کس طرح پڑوسیوں کے ساتھ

لاکھوں انسانوں کو تبلیغ کرنا، ان کو اسلام کی دعوت دینا، اور پھر ان کو اسلامی احکام سمجھانا یہ ایک مستقل کام ہے، اگر کوئی انسان اپنی پوری زندگی اس کام کے لئے وقف کر دے تب بھی اتنا نتیجہ نہیں نکل سکتا، جتنا نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں نکلا۔ اور ۱۱۳ لڑائیاں آپ ﷺ کے عہد مبارک میں صرف دس سال کے عرصہ میں لڑی گئیں، اگر ایک آدمی اپنی زندگی صرف لڑائیوں کے لئے وقف کر دے تب بھی ۱۱۳ لڑائیاں لڑنا اس کے لئے مشکل ہے، لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ کے عہد طیبہ میں سارے کام اطمینان سے ہو رہے ہیں، اور آپ ﷺ پر ان کاموں پر کبھی کوئی پریشانی لاحق نہیں ہو رہی ہے، آپ کو کبھی کسی کام پر کشمکش نہیں ہو رہی ہے، بلکہ جو کام ہے وہ اطمینان کے ساتھ اور سکون کے ساتھ انجام دیا جا رہا ہے۔ یہی وہ شرح صدر ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہے ”الْحَمْدُ لَكَ صَدْرًا ۝“ کیا ہم نے تمہارے سینے کو کھول نہیں دیا؟ بلکہ اتنا کشادہ کر دیا کہ یہ سارے کام اکٹھے انجام دیے جا رہے ہیں، اور ایسا کھول دیا کہ کائنات میں کسی اور کا سینہ اس طرح نہیں کھل سکتا، جس طرح نبی کریم ﷺ کا سینہ ہم نے کھول دیا۔ بہر حال! یہ پہلی آیت کی تفسیر تھی جو میں نے آپ کے سامنے عرض کی، اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا فرمائی تو اگلی آیات کی تفسیر انشاء اللہ اگلے بیانات میں عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین ○

سلوک کرنا ہے، اور کس طرح خرید و فروخت ہونی ہے؟ بازار میں ایک مؤمن کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہئے؟ گھر میں کیا طرزِ عمل ہونا چاہئے؟ یہ سب اپنے عمل کے ذریعے کر کے دکھانا ہے، یہ تیسرا کام تھا۔

مخالفین سے جہاد بھی کرنا تھا

چوتھا کام یہ تھا کہ مخالفین کا ایک طوفان ہے، جو ہر قدم پر رکاوٹیں ڈال رہا ہے، تکلیفیں پہنچا رہا ہے، اذیتیں دے رہا ہے، اور جو لوگ حق بات کو قبول کر رہے ہیں، ان کو ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہا ہے۔ ایسے مخالفین سے لڑنا بھی ہے، اس کے خلاف تلوار بھی اٹھانی ہے، ان سے جہاد بھی کرنا ہے، حضور اقدس ﷺ کے مدینہ کے قیام کے دوران صرف دس سال میں ۱۱۳ لڑائیاں لڑی گئیں۔ جبکہ مکہ کے قیام کے دوران ۱۳ سال کے عرصہ میں لڑائی کی اجازت نہیں تھی، اگر کوئی مار بھی رہا ہے تو جواب دینے کی اجازت نہیں تھی۔

صرف دس سال میں ۱۱۳ لڑائیاں

ان میں سے ایک ایک کام کو دیکھیں، دعوت، تبلیغ، تعلیم، عملی زندگی، جہاد، یہ سارے کام ایسے ہیں کہ اگر ایک شخص اپنی ساری زندگی ان کاموں کے لئے وقف کر دے تب بھی یہ سارے کام اس سے نہیں ہو سکتے تھے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام w کو قرآن کریم پڑھانا، اگر ایک شخص ساری زندگی صرف قرآن کریم پڑھاتا رہے، تب بھی اتنی بڑی تعداد کو پڑھانا مشکل ہے، اور

ہر فرض نماز میں پڑھنے سے اللہ پاک آزمائش میں مبتلا ہونے سے

بچالیں گے اور بلا اور مصیبت کے وقت کی بہترین دعا

حضرت بسر بن ابی ارطاة t فرماتے ہیں، میں نے حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا:

اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِيْ الْاُمُوْر كُلِّهَا وَ
اَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ۔

”اے اللہ! تمام کاموں میں ہمارا انجام اچھا فرما اور ہمیں دنیا
کی رسوائی سے اور آخرت کے عذاب سے محفوظ فرما۔“

طبرانی کی روایت میں ہے اس کے بعد یہ بھی ہے کہ حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو یہ دعا مانگتا رہے گا وہ آزمائش میں مبتلا

ہونے سے پہلے ہی مرجائے گا۔“ (طبرانی، عن بسر بن ابی ارطاة t)

ہر نماز کے بعد اس دعا کو سات بار پڑھئے اول و آخر درود
شریف ایک ایک بار پڑھئے۔

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص یہ دعا پڑھے گا تو ہر
بلا و دکھ سے امن و امان میں رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

(بروایت: ابن ماجہ، احمد، طبرانی، عن بسر بن ابی ارطاة رحمہ اللہ، حیاة
الصحابہ جلد ۳، ص: ۲۰۳)



ہر پریشانی کے بعد راحت ضرور آئیگی

(تفسیر سورۃ الم نشرح)

2

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم



ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی



میمن اسلامک پبلشرز

۲۹۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ہر پریشانی کے بعد راحت ضرور آئیگی

تفسیر سورۃ الم نشرح

2

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسَيِّدَتَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ، صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ*

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ*

الْمُ نَشْرَحُ لَكَ صَدْرَكَ ۖ وَوَضَعْنَا عَنكَ وَزْرَكَ ۖ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۖ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۖ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۖ إِنَّ مَعَ

۲۹۲

الْعُسْرِ يُسْرًا ۖ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۖ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَانرغبْ ۖ (سورہ الم نشرح: ۸۳۱)

آمَنْتُ بِاللَّهِ صَدَقَ اللَّهُ مَوْلَانَا الْعَظِيمُ، وَصَدَقَ رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ، وَنَحْنُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ وَالشَّاكِرِينَ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز، یہ سورۃ الم نشرح ہے، جس کی کچھ تشریح گزشتہ جمعہ کو شروع کی تھی، اس سورت میں اللہ جل شانہ نے حضور نبی کریم ﷺ کو اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے تو فرمایا:

الْمُ نَشْرَحُ لَكَ صَدْرَكَ ۖ

کیا ہم نے آپ ﷺ کے خاطر آپ ﷺ کے سینے کو کھول نہیں دیا؟ سینے کے کھولنے سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں گزشتہ جمعہ کو تفصیل کے ساتھ عرض کر چکا ہوں۔

نبوت کی ذمہ داری کا بوجھ

آگے فرمایا:

وَوَضَعْنَا عَنكَ وَزْرَكَ ۖ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۖ

اور ہم نے آپ ﷺ سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا، جس نے آپ ﷺ کی کمر توڑ رکھی تھی، ”کمر توڑنا“ ایک محاورہ ہے۔ جب آدمی کو کوئی فکر ہو،

۲۹۳

کوئی تشویش ہو، انسان پر کوئی بوجھ ہو، اس وقت یہ کہا جاتا ہے کہ اس غم اور فکر نے میری کمر توڑ دی۔ تو وہ کونسا بوجھ تھا جس کے بارے میں ان آیات میں فرمایا گیا کہ ہم نے آپ ﷺ سے وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ ﷺ کی کمر توڑ رکھی تھی۔ حضور اقدس ﷺ پر بہت سارے افکار تھے، بہت سارے مسائل تھے۔ لیکن سب سے اہم بوجھ اور سب سے اہم ذمہ داری نبوت کی ذمہ داری اور اس کا بوجھ تھا، اور اپنی امت کو نجات دلانے کے لئے کوشش کرنے کا بوجھ تھا، جس ماحول میں آپ ﷺ دنیا میں تشریف لائے، اور جس طرح آپ ﷺ پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی کہ پوری دنیا جو کفر اور ضلالت میں ڈوبی ہوئی تھی، اس کو ہدایت کے راستے پر لائیں اور اس کو جہنم سے نجات دلوائیں۔ یہ اتنی بڑی ذمہ داری تھی جو اس سے پہلے کسی پیغمبر پر نہیں ڈالی گئی تھی۔

سابقہ انبیاء کی ذمہ داری محدود تھی

نبی کریم ﷺ سے پہلے جو پیغمبر دنیا میں تشریف لاتے تھے، ان میں سے ہر پیغمبر اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا۔ مثلاً حضرت صالح ؑ قوم ثمود کی طرف مبعوث ہوئے تھے، اور صرف انہی کی حد تک دین کی دعوت دینی تھی، حضرت ہود ؑ قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے تھے، اور قوم عاد کی حد تک دین کی دعوت دینی تھی۔ دوسری قوموں کو دین کی دعوت دینے کا بوجھ ان پر

۲۹۴

نہیں ڈالا گیا تھا۔ حضرت موسیٰ ؑ اور حضرت عیسیٰ ؑ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے، بنی اسرائیل کی حد تک ان کی دعوت محدود تھی۔ لیکن حضور اقدس ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ”خاتم النبیین“ بنایا۔ آخری نبی بنایا، اور آپ ﷺ کی دعوت صرف قریش کی حد تک یا صرف عرب کی حد تک محدود نہیں تھی، بلکہ پوری دنیا کے لئے تھی۔ اور دنیا کے آخری کونے تک اور قیام قیامت تک آپ ﷺ کی نبوت کا سلسلہ جاری رہنا تھا۔ کسی خاص قوم اور کسی خاص زمانے کی حد تک محدود نہیں تھی۔

آپ ﷺ پوری انسانیت کیلئے نبی تھے

چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا

(سورہ سبا: ۲۸)

یعنی ہم نے آپ کو پوری انسانیت کے لئے ”بشیر“ اور ”نذیر“ بنا کر بھیجا ہے، بشیر کے معنی ہیں جنت کی خوشخبری دینے والا، اور ”نذیر“ کے معنی ہیں، دوزخ کے عذاب سے ڈرانے والا، لہذا یہ ذمہ داری کہ پوری انسانیت کو اور پوری دنیا کو اسلام کی دعوت دینی ہے، اور ان کو جہنم کی آگ سے بچانا ہے، اس ذمہ داری کا بوجھ سب سے بڑا بوجھ تھا جو نبی کریم ﷺ کے اوپر ڈالا گیا، اور یہ اتنا بڑا بوجھ تھا کہ جب سب سے پہلے آپ پر وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ کے اوپر جاڑہ چڑھ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس بوجھ کے اٹھانے کی صلاحیت اور

۲۹۶

اپنے ذکر کے ساتھ ملا دیا ہے۔ چنانچہ جہاں ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہا جاتا ہے وہاں ”حمد رسول الله“ بھی کہا جاتا ہے، جہاں ”اشھدان محمد رسول الله“ کی صدا بلند کی جاتی ہے، وہاں ”اشھدان محمد رسول الله“ کی صدا بھی بلند کی جاتی ہے، جہاں ”اطيعوا الله“ کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو، وہاں ”اطيعوا الرسول“ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی بھی اطاعت کرو۔

پورے کرہ ارض پر آپ ﷺ کا نام لیا جا رہا ہے

یہ شرف اس کائنات میں کسی اور شخص کو نصیب نہیں ہوا ہوگا، کہ دنیا کا یہ جو کرہ ہے کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے کہ اس کرہ ارض کے کسی نہ کسی حصے میں سرکارِ دو عالم ﷺ کا نام نامی نہ لیا جا رہا ہو، کیونکہ دنیا میں ہر وقت کسی نہ کسی جگہ پر کسی نماز کا وقت شروع ہو رہا ہوتا ہے، اور اس نماز کے وقت اذان کی صدائیں بلند ہو رہی ہوتی ہیں۔ اور ”اشھدان محمد رسول الله“ کہا جا رہا ہوتا ہے، یہ شرف اس کائنات میں سوائے حضور اقدس ﷺ کے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

آپ ﷺ کے نام کی برکت سے دنیا قائم ہے

اور سچی بات یہ ہے کہ اس نام نامی کی برکت سے یہ دنیا قائم ہے، اور اللہ بچائے۔ جب اس نام نامی کا لینے والا اس کائنات میں کوئی نہیں رہے گا، اس دن قیامت آجائے گی، یہ شرف اللہ تعالیٰ نے صرف نبی کریم ﷺ کو عطا فرمایا اور

۲۹۵

قوت عطا فرمائی، جس کے نتیجے میں یہ بوجھ آپ ﷺ کے لئے آسان ہو گیا، چنانچہ اس آیت میں فرمایا:

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝

یعنی ہم نے آپ ﷺ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ ﷺ کی کمر توڑ رکھی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے طبیعت پر سکینت نازل فرمائی اور آپ ﷺ کو وہ طریقے سمجھائے جن کے ذریعہ دعوت کا یہ کام آپ ﷺ کے لئے آسان ہو جائے، پھر رفتہ رفتہ آپ ﷺ کے اعوان و انصار بھی پیدا فرمائے، مددگار پیدا فرمائے۔ حضرات صحابہ کرام [ایسے جانثار ساتھی عطا فرمائے کہ روئے زمین پر ایسے جانثار کسی اور کو نصیب نہیں ہوئے اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس کا وہ بوجھ اتار دیا۔

آپ ﷺ کے تذکرے کو بلند مقام عطا فرمایا

پھر آگے ارشاد فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝

اور ہم نے آپ ﷺ کے لئے آپ کے تذکرے کو بلند مقام عطا فرمایا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت جبریل امین u سے پوچھا کہ یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آپ ﷺ کے تذکرے کو بلند مقام عطا فرمایا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ جواب میں حضرت جبریل امین u نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذکر کو

۲۹۸

ایک یہ کہ جس وقت مشکل آرہی ہے اسی وقت آسانی بھی ہے، اور محاورے میں بعض اوقات اگر مشکل کے بعد بھی آسانی آجائے تو یہ کہا جاتا ہے کہ ساتھ ہی آسانی آگئی۔ اس آیت میں دونوں معنی مقصود ہیں۔

عین پریشانی کے وقت بے شمار نعمتیں

ایک معنی یہ ہیں کہ جس وقت انسان پر کوئی مشکل آرہی ہوتی ہے، کوئی پریشانی، کوئی صدمہ، کوئی غم انسان پر طاری ہوتا ہے تو عین اس صدمہ کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر انسان ان پر غور کرے تو وہ آسانی کا سبب بن جاتی ہے، اور اس مشکل کو آسان کر دیتی ہیں۔ مگر چونکہ ہم لوگ بے صبرے واقع ہوئے ہیں، اس لئے اگر ذرا سی تکلیف بھی انسان پر آجاتی ہے تو انسان اس تکلیف کو لے بیٹھتا ہے، اور عین اس تکلیف کے وقت جو بے شمار نعمتیں اس کو حاصل ہوتی ہیں، انسان ان کو بھول جاتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اس چھوٹی سی تکلیف کے اوپر شکوہ کرنے لگتا ہے، اور اس تکلیف کو لے کر بیٹھ جاتا ہے، اور اس تکلیف کو اپنی پریشانی کا سبب بنا لیتا ہے، اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔

بیماری کے اندر بھی صحت

مثلاً کوئی بیماری آئی، اور اس بیماری کی وجہ سے تکلیف ہو رہی ہے، درد ہو رہا ہے، بخار آگیا ہے، تو بیشک یہ بیماری تکلیف تو ہے، لیکن انسان اگر غور کرے

۲۹۷

اسی بات کو اقبال مرحوم a نے اس طرح کہا ہے کہ:۔

دشت میں، موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے
چین کے شہر، مراکش کے بیابان میں ہے
آسمان کی نگاہیں یہ نظارہ ابد تک دیکھیں گی
رفعتِ شانِ ”وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ“ دیکھیں گی

بہر حال! یہ انعام اللہ تعالیٰ نے عطا فرما کر فرمایا کہ دیکھو، ایک طرف تو آپ ﷺ کے اوپر وہ بوجھ تھا، جس نے آپ ﷺ کی کمر توڑ رکھی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ پھر یہ آسانی عطا فرمائی کہ آپ ﷺ کے کام بھی آسان کر دیئے، اور آپ ﷺ کے تذکرے کو وہ مقام بخشا جو اس کائنات میں کسی اور کو نصیب نہ ہوا۔

ہر مشکل کے ساتھ آسانی

پھر آگے فرمایا:

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۖ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۖ

بیشک تنگی اور مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے، اور یہ بات اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ ارشاد فرمائی کہ ہر مشکل کے ساتھ ایک آسانی ہوتی ہے، بیشک ہر مشکل کے ساتھ ایک آسانی ہوتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے مشکل کے ساتھ ”آسانی“ کے الفاظ بیان فرمائے۔ ”ساتھ“ کے دو معنی ہوتے ہیں،

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میری آنکھیں ٹھیک کام کر رہی ہیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے کان ٹھیک کام کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میری زبان ٹھیک کام کر رہی ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرا دل ٹھیک کام کر رہا ہے، البتہ تھوڑا بخار ہو گیا ہے، دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ وہ بھی دور فرمادے۔

ایک مؤمن کا صحیح عمل

یہ ہے ایک مؤمن کا صحیح طرز عمل کہ جتنی نعمتیں حاصل ہیں، پہلے ان کا ذکر کیا، اور ان کو یاد کیا، اور ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور آخر میں اس تکلیف کا ذکر کیا کہ یہ تھوڑی سی تکلیف ہے، دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی زائل فرمادے۔ یہ ہے ”إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا“ کہ اس تکلیف اور مشکل میں بھی انسان نعمتوں کا تصور کرے تو پتہ چلے کہ اس وقت میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانی کے کتنے اسباب موجود ہیں۔

بیماری میں بے شمار نعمتیں

دیکھو! اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے، اور اس کا تیمار کوئی نہ ہو، اور اس کے پاس پیسے اتنے نہ ہوں کہ علاج کرا سکے، اور اس کے قریب کوئی ہمدردی کا کلمہ کہنے والا موجود نہ ہو تو اس صورت میں وہ بیماری کتنی شدید ہو جائے گی۔ لیکن اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے، اور اس کے پاس تیمار بھی ہیں، اور اس کے پاس ہمدردی کا کلمہ کہنے والے موجود ہیں، ہمدرد معالج موجود ہے، دوا موجود ہے، دوا

تو اس تکلیف میں اور اس مصیبت میں بے شمار نعمتیں بھی میسر ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک آدمی کو بخار چڑھا ہوا ہے، اب آدمی تو اس بخار کو لے کر بیٹھ گیا، لیکن دوسری طرف اس کے جسم کے سارے اعضا ٹھیک ٹھیک کام کر رہے ہیں۔ آنکھیں صحیح طریقے سے دیکھ رہی ہیں۔ کان صحیح طریقے سے سن رہے ہیں، زبان میں بولنے کی طاقت موجود ہے، تو اس خاص بیماری کے وقت بھی اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتیں دے رکھی ہیں۔ اگر آدمی اس وقت یہ سوچے اگر اس بخار کے ساتھ میرے پاس بینائی کی طاقت نہ ہوتی، یا میرے اندر بولنے کی طاقت نہ ہوتی، یا میرے اندر سننے کی طاقت نہ ہوتی، تو اس وقت میرا کیا حال بنتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے میری یہ ساری صلاحیتیں بحال رکھی ہوئی ہیں، اگر آدمی اس پر غور کرے تب پتہ چلے کہ اس ایک مشکل کے ساتھ کتنی آسانیاں اللہ تعالیٰ نے عطا فرما رکھی ہیں۔

حضرت میاں اصغر حسین صاحب a

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب a کے استاذ تھے حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب a، جو حضرت میاں صاحب کے نام سے مشہور تھے، بڑے ولی اللہ اور بڑے بزرگ تھے۔ ایک مرتبہ وہ بیمار ہو گئے، اور شدید بخار آ گیا، میرے والد ماجد a ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، والد صاحب نے پوچھا کہ حضرت! کیسے مزاج ہیں؟ فرمایا کہ

۳۰۲

الْعُسْرُ يُسْرًا ۝“ ہر تنگی کے ساتھ ہی ساتھ آسانی بھی ہے۔

ہر تکلیف کے بعد راحت بھی آتی ہے

آسانی کی دوسری قسم وہ ہے جو مشکل کے بعد آتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ اگر کسی شخص پر کوئی تکلیف آئیگی تو وہ تکلیف دائمی نہیں ہوگی، وہ غم دائمی نہیں ہوگا۔ اس دنیا میں نہ خوش دائمی ہے، نہ غم دائمی ہے، بلکہ ہر تکلیف کے بعد کوئی نہ کوئی راحت اور آسانی میسر آ جاتی ہے، کبھی وہ آسانی جلدی آ جاتی ہے، اور کبھی اس کے آنے میں وقت لگتا ہے، لیکن آتی ضرور ہے۔ مثلاً جب بیماری آتی ہے تو اس کے بعد صحت بھی آتی ہے، الا یہ کہ انسان کا وقت ہی پورا ہو گیا ہو تو پھر وہ دنیا ہی سے رخصت ہو جاتا ہے۔ لیکن زندگی باقی ہے تو بیماری کے بعد صحت بھی آتی ہے، اگر روزگار میں تنگی آگئی ہے، تو وہ کچھ عرصہ رہے گی، اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو کشادگی سے تبدیل فرما دیں گے۔ اگر کوئی صدمہ پیش آیا ہے تو وہ صدمہ کچھ دن رہے گا، اس کے بعد انسان اس صدمہ کو بھول جائے گا اور اس کے لئے راحت پیدا ہو جائے گی۔

یہ تکلیف دائمی نہیں

لہذا آدمی کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اگر اس پر کوئی تکلیف آرہی ہے تو وہ تکلیف دائمی نہیں ہوگی۔ ہاں۔۔۔ دائمی تکلیف تو آخرت میں ہوگی، اللہ تعالیٰ کا جو کوئی بندہ نافرمان ہے، یا کافر ہے، تو پھر آخرت میں اس کو جو تکلیف آئے گی، وہ

۳۰۱

خریدنے کے لئے پیسے موجود ہیں، تو اس پریشانی اور بیماری میں بھی اللہ تعالیٰ نے راحت و آرام کے کتنے اسباب عطا فرما رکھے ہیں۔۔۔ یہ میں نے ایک چھوٹی سی مثال دی ہے، ورنہ اگر دنیا کی ہر تکلیف کے اندر دیکھا جائے تو اس تکلیف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بہت ساری نعمتیں بھی موجود ہوتی ہیں۔

تکلیف پر اجر و ثواب

پھر ایک بات اور بھی ہے، وہ یہ کہ ایک مؤمن کے لئے یہ تصور کہ جو کچھ مجھے تکلیف یا مصیبت پہنچ رہی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت سے پہنچ رہی ہے، اور اس تکلیف کے نتیجے میں میرے گناہ معاف ہو رہے ہیں، اور میرے درجے بلند ہو رہے ہیں، کیونکہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی بندے کو کانا بھی چھب جائے تو اللہ تعالیٰ اس تکلیف کو مغفرت کا اور اس کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بناتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی ذہنی پریشانی لاحق ہوگئی ہے، اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملتا ہے۔۔۔ بہر حال! عین تکلیف اور مشکل کے وقت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کو ایک مؤمن کے لئے اس طرح آسان کر دیا ہے کہ یہ مشکل جو آرہی ہے، یہ تو تقدیر کا ایک حصہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کے نتیجے میں مجھے گناہوں کی مغفرت عطا فرمائی ہے، میرے درجات بلند فرمائے ہیں، مجھے اجر و ثواب مل رہا ہے، ان باتوں کا تصور اس مشکل اور پریشانی کو ہلکا کر دیتا ہے۔۔۔ اس لئے فرمایا: ”إِنَّ مَعَ

۳۰۴

آسانیاں اس طرح عطا فرماتے ہیں، کہ بعض اوقات دنیا ہی کے اندر ایک تنگی کے ساتھ دو آسانیاں مل جاتی ہیں، اور بعض اوقات ایک آسانی دنیا کے اندر عطا فرماتے ہیں اور ایک آسانی آخرت میں عطا فرمائیں گے۔ لہذا یہ بات ہر مؤمن کو ہر پریشانی کے وقت میں ذہن نشین رکھنی چاہئے، کہ ”إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا“ اب وقت ختم ہو گیا ہے، بقیہ آیات کی تفسیر انشاء اللہ عید الاضحیٰ کے بعد عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین ○



۳۰۳

کبھی ختم ہونے والی نہ ہوگی، لیکن دنیا میں جو تکلیف آئی ہے، وہ ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گی، اور اس کے بعد یُسْر اور آسانی حاصل ہو جائے گی۔ بہر حال! نبی کریم ﷺ کو یہ انعامات یاد دلانے جارہے ہیں کہ ہم نے آپ کا سینہ کھولا، اور آپ کے اوپر ذمہ داری کا جو بوجھ تھا، وہ ہم نے ہلکا کر دیا۔

ایک تنگی کے بعد دو آسانیاں آئیں گی

بھردو بارہ فرمایا:

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝

کہ تنگی کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے۔ گویا کہ دو مرتبہ فرمایا کہ تنگی کے ساتھ آسانی آتی ہے۔ عربی زبان کا ایک قاعدہ ہے کہ اگر دو چیزوں کو دو مرتبہ ذکر کیا جا رہا ہے تو جو چیز الف لام کے ساتھ ذکر کی جاتی ہے، وہ دو مرتبہ ذکر کرنے کے باوجود ایک چیز مراد ہوتی ہے، اور جو چیز بغیر الف لام کے ذکر کی جاتی ہے وہ مرتبہ ذکر کرنے سے دو چیزیں الگ الگ مراد ہوتی ہیں۔ لہذا ان آیات میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر تمہارے اوپر ایک تنگی آئے گی تو اس کے بعد دو آسانیاں بھی آئیں گی۔

ایک آسانی دنیا میں ایک آخرت میں

چنانچہ ایک مرتبہ خود نبی کریم ﷺ نے یہ حقیقت ارشاد فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا یہ کرم دیکھو کہ ایک تنگی کے ساتھ دو آسانیاں عطا فرماتے ہیں، دو

۳۰۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فارغ اوقات کو نفلی عبادات میں لگاؤ

تفسیر سورۃ الم نشرح

3

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ. وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ
سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
يُضِلِّهِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ. وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ. وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا
وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ، صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ
وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ*

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ*

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۖ وَوَضَعْنَا عَنَّا
وِزْرَكَ ۖ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۖ وَرَفَعْنَا
لَكَ ذِكْرَكَ ۖ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۖ إِنَّ مَعَ

۳۰۶

الْعُسْرِ يُسْرًا ۖ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۖ وَإِلَى
رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ (سورۃ الم نشرح: ۱ تا ۸)
آمَنْتُ بِاللَّهِ صَدَقَ اللَّهُ مَوْلَانَا الْعَظِيمُ، وَصَدَقَ
رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ، وَنَحْنُ عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ
وَالشَّاكِرِينَ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

تمہید

بزرگان محترم اور برادران عزیز، یہ سورۃ الم نشرح کی آخری دو آیات
ہیں، جو میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں، عید الاضحیٰ سے پہلے اس
سورۃ کی تفسیر اور کچھ تشریح آپ حضرات کی خدمت میں پیش کی گئی تھی۔ یہ
دو آیات رہ گئیں تھیں جن کا بیان باقی تھا۔ ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی
کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۖ
یعنی جب آپ ﷺ فارغ ہو جائیں تو اپنے آپ کو تھکائیے، محنت کیجئے،
وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ اور اپنے پروردگار ہی سے لو لگائیے، اور اسی کی
طرف توجہ کیجئے۔

عبادت میں اپنے آپ کو تھکائیے

ان آیات کے ذریعہ حضور اقدس ﷺ سے یہ فرمایا جا رہا ہے کہ جن
مصروفیات میں آپ مشغول رہتے ہیں ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی

۳۰۸

مومن کا ہر کام موجب اجر و ثواب ہے

اس سے یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یوں تو ایک مومن کے صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں جتنے کام ہوتے ہیں، اگر وہ کام صحیح نیت سے صحیح طریقے سے انجام دیئے جائیں تو وہ بھی موجب اجر و ثواب ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص روزی کما رہا ہے، اور اس نیت سے کما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذمے کچھ حقوق رکھے ہیں اور ان حقوق کی ادائیگی کے لئے میں یہ روزی کما رہا ہوں، اور روزی کمانے کا حلال طریقہ اختیار کرے، حرام طریقے سے بچے تو اس صورت روزی کمانے کا جتنا عمل ہے وہ بھی درحقیقت عبادت بن جاتا ہے، وہ بھی موجب اجر و ثواب بن جاتا ہے۔ فرض کریں کہ کوئی شخص کسی جگہ پر ملازمت کرتا ہے، اگر اس کی نیت ملازمت کرنے سے یہ ہے کہ جو تنخواہ مجھے حاصل ہوگی، اس سے میں اپنے بیوی بچوں کے حقوق ادا کروں گا، اور حلال طریقے سے یہ کام انجام دوں گا، تو اس ملازمت کے جن جائز کاموں کو کر رہا ہے وہ سب اس کے لئے موجب اجر و ثواب ہو جائیں گے۔

مومن کا کھانا اور سونا بھی عبادت

یا مثلاً ایک آدمی کھانا کھا رہا ہے اور اس نیت سے کھا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر میرے نفس کا حق رکھا ہے، لہذا اس حق کو ادا کرنے کے لئے میں کھانا کھا رہا ہوں، اور جب کھانا کھانے کے نتیجے میں میری قوت بحال ہوگی تو

۳۰۷

مصرفیات دین کو پھیلانے کی، تعلیم کی، تبلیغ کی، تدریس کی، اور جہاد کی اور لوگوں کی تربیت کی مصرفیات تھیں۔ جب آپ ان مصرفیات سے فارغ ہو جائیں تو آپ ﷺ اپنے آپ کو تھکائیے، یعنی آپ ﷺ کی روزانہ کی مصرفیات جو آپ ﷺ کے فرائض منصبی سے متعلق ہیں، ان سے جب فارغ ہونے کے لمحات میسر آئیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی براہ راست عبادت میں مشغول ہو کر اپنے آپ کو تھکائیے، یعنی اتنی عبادت کیجئے جس سے جسم تھکنے لگے۔

فرض نمازیں تو پڑھنی ہی ہیں

یہاں عبادت سے مراد نفلی عبادتیں ہیں۔ اس لئے کہ جو عبادات فرض ہیں، وہ تو آپ کو انجام دینی ہیں، چاہئے آپ فارغ ہوں یا نہ ہوں۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں آج زیادہ مصروف ہوں، لہذا ظہر کی نماز نہیں پڑھوں گا۔ ایسا نہیں ہو سکتا، اس کے لئے تو ہر حال میں وقت نکالنا ہی ہے، اس کے لئے فراغت شرط نہیں۔ آدمی کتنا ہی مشغول ہو، لیکن جب نماز کا وقت آجائے تو اس کو نماز پڑھنی ہی ہے، نماز پڑھنا فراغت پر موقوف نہیں۔ لہذا یہاں اس آیت میں حضور اقدس ﷺ سے یہ جو کہا جا رہا ہے کہ جب آپ ﷺ فارغ ہو جائیں تو عبادت کے اندر اپنے آپ کو تھکائیے، اس سے مراد نفلی عبادت ہے، نفلی نمازیں، تلاوت قرآن کریم، اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تسبیحات مراد ہیں۔

۳۰۹

میں اپنے فرائض بہتر طریقے سے انجام دے سکوں گا، تو اب کھانا کھانا بھی عبادت بن گیا۔ بشرطیکہ مسنون طریقے سے بسم اللہ پڑھ کر کھائے۔ اگر کوئی شخص سو رہا ہے اور اس نیت سے سو رہا ہے کہ سونے کے نتیجے میں طبیعت میں چستی اور تازگی پیدا ہوگی، اور اس کو میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں استعمال کروں گا، اور سنت کے مطابق دعا پڑھ کر داہنی کروٹ پر سوئے تو یہ سونا بھی عبادت بن گیا۔ اس طرح ایک مؤمن کا ہر کام عبادت بن سکتا ہے۔

نیت درست کرنے سے عبادت بن گئے

لیکن عبادت کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم یہ ہے کہ ایک عمل حقیقت میں عبادت نہیں تھا، بلکہ ایک مباح عمل تھا، لیکن نیت درست کرنے کے نتیجے میں اور سنت طریقے پر کرنے کے نتیجے میں وہ عمل عبادت بن گیا۔ جیسے کھانا کھانا، پانی پینا، سونا، تجارت کرنا، ملازمت کرنا، لوگوں سے ملنا وغیرہ یہ سب جائز اور مباح تھے، براہ راست عبادت نہیں تھے، لیکن نیت درست کرنے سے یہ کام عبادت بن گئے۔

براہ راست عبادت والے کام

عبادت کی دوسری قسم وہ ہے جو براہ راست عبادت ہے، اور وہ ایسا عمل ہے کہ اس سے سوائے اللہ تعالیٰ کی بندگی کے کوئی اور مقصد نہیں، مثلاً نماز پڑھنا، روزے رکھنا، تلاوت کرنا، ذکر کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، دعائیں کرنا وغیرہ یہ سب عبادتیں وہ ہیں جو براہ راست عبادت ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ

۳۱۰

لیں کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں، ایک براہ راست عبادت، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تلاوت وغیرہ۔ دوسرے بالواسطہ عبادت کہ وہ اصل میں تو وہ عمل عبادت نہیں تھا، لیکن ایک مؤمن کے لئے اس عمل کو صحیح نیت سے انجام دینے کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اس کو عبادت کا درجہ دیدیا۔

نفلی عبادتوں میں اپنے آپ کو تھکائے

لہذا اگر ایک مؤمن اپنی صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں اپنی ملازمت میں لگا ہوا ہے، یا اپنی تجارت میں لگا ہوا ہے، لیکن صحیح نیت سے اور صحیح طریقے سے یہ سب کام انجام دے رہا ہے، تو جب وہ اس عبادت سے فارغ ہو جائے، اور اس کے پاس فارغ وقت ہو، تو اس کو چاہئے کہ اس وقت کو نفلی عبادتوں میں صرف کرے اور ان نفلی عبادتوں کے اندر اپنے آپ کو تھکائے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے حضور اقدس نبی کریم ﷺ رات کو تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اتنا طویل قیام فرماتے کہ پاؤں مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ ۲ آپ سے فرماتیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! ایک طرف تو آپ ﷺ سے کوئی خطا سرزد نہیں ہوتی، اور اگر سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے تو آپ کی اگلی پچھلی ساری خطائیں معاف فرمادی ہیں، پھر آپ ﷺ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ جواب میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

أَفَلَا كُونُ عَبْدًا شَكُورًا

کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟

۳۱۱

اللہ تعالیٰ کے شکر کا تقاضہ یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو تھکاؤں۔

فارغ وقت میں اللہ کا ذکر کرو

بہر حال! حضور اقدس ﷺ کے واسطے سے ہمیں یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ جب تمہیں خالی وقت مل رہا ہو، تو اس خالی وقت کو بے کار ضائع کرنے کے بجائے اس کو اللہ تعالیٰ سے لولگانے میں، اور اس وقت کو نفلی عبادتوں میں صرف کرو۔ اس میں نفلی نماز بھی داخل ہے، قرآن کریم کی تلاوت بھی داخل ہے، اس میں ذکر اللہ بھی داخل ہے، ارے جب تم فارغ بیٹھے ہو، اور تمہیں کوئی کام نہیں ہے، وقت فارغ ہے، تو اس کو بے کار ضائع کرنے کے بجائے زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرلو، صرف ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ ہی پڑھتے رہو، صرف ”الحمد لله“ پڑھتے ہو، یہ کلمات اگرچہ مختصر ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا بڑا اجر و ثواب ہے۔

ذکر کیلئے بہترین کلمات

ایک حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ دو کلمے ایسے ہیں کہ زبان سے ادا کرنے میں تو وہ ہلکے اور آسان ہیں، لیکن میزانِ عمل میں ان کا وزن بہت ہے اور رحمن کو وہ کلمے بہت محبوب ہیں، وہ دو کلمے یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ

لہذا جس وقت آپ خالی بیٹھے ہیں اور کوئی کام نہیں کر رہے ہیں، اس خالی وقت میں یہ ذکر زبان پر ہو۔ یا آپ گاڑی میں سفر کر رہے ہیں، بس میں سفر کر رہے ہیں، سفر لمبا ہے، وقت خالی ہے، کوئی اور کام اس وقت میں نہیں کر سکتے تو

۳۱۲

اس وقت کو بیکار گزارنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی کرتے رہو، اور یہ پڑھو۔

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ

یا: سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ

یا: وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

ان آخری کلمات کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ جنت کے خزانوں سے ایک خزانہ ہے۔ بہر حال! ہر وقت اللہ کے ذکر سے زبان تر رہے۔

افضل عمل کونسا؟

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی صحابی نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے، یعنی ہر وقت تمہاری زبان پر اللہ تعالیٰ کا کوئی ذکر ہو۔

یہ اوقات سرمایہ زندگی ہیں

اس آیت میں جو فرمایا جا رہا ہے کہ جب تم فارغ ہو جاؤ تو اپنے آپ کو تھکاؤ، اس کے ذریعہ درحقیقت یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی کے جو اوقات دے رکھے ہیں، وہ انتہائی قیمتی ہیں، یہ اوقات ہمارا سرمایہ زندگی ہے، ان اوقات کو اس طرح بیکار گزارنا کہ اس میں نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہو، نہ آخرت کا کوئی فائدہ ہو، وہ ایسا ہے جیسے سونے کو مٹی بنا دینا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ایک لمحہ بڑا

۳۱۲

تسبیح میں اور تلاوت کرنے میں اور دوسری عبادتوں میں مزہ بھی آئے۔ چنانچہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم عبادت کرتے ہیں، مگر ہمیں عبادت کرنے میں مزہ نہیں آتا، ارے بھائی! عبادت مزے حاصل کرنے کے لئے نہیں کی جاتی، بلکہ عبادت تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کی جاتی ہے، چاہے مزہ آئے یا نہ آئے، چاہے دل لگے یا نہ لگے، انسان جس طرح بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی کے لئے کوئی عبادت انجام دے رہا ہے تو بس وہ اطاعت ہے، بندگی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ لہذا اس آیت میں یہ کہہ کر کہ اپنے آپ کو تھکاؤ، اشارہ اس طرف کر دیا ہے کہ یہ عبادتیں یہ تمہاری طبیعت کے خلاف ہوں گی، اور شروع میں تمہیں ناگوار معلوم ہوگی۔ مشقت ہوگی، محنت ہوگی۔ لیکن اللہ کی خاطر اس محنت کو برداشت کرو، اور وہ مشقت اٹھاؤ اور دل لگے یا نہ لگے، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اپنے آپ کو مصروف رکھو، اور اس تھکن اور مشقت کا مزہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنے کے بعد ملے گا، اور اس وقت پتہ چلے گا کہ ہم نے جو مشقت اور تکلیف اٹھائی تھی، اور دل نہ لگنے کے باوجود ہم اس عبادت میں لگے ہوئے تھے، اس کا اللہ تعالیٰ نے کتنا عظیم بدلہ اور صلہ ہمیں عطا فرمایا۔

عبادت پر صبر کرو

قرآن کریم کی اصطلاح میں اسی کا نام ”صبر“ ہے، ویسے تو صبر کا لفظ عام طور پر اس وقت بولا جاتا ہے جب انسان پر کوئی مصیبت آجائے، اور اس پر انسان صبر کرے تو اس کو ”صبر“ کہا جاتا ہے، لیکن قرآن کریم کی اصطلاح

۳۱۳

قیمتی عطا فرمایا ہے، اگر انسان اس کو صحیح استعمال کرے تو اس کے ذریعہ ایک لمحہ کے اندر انسان جنت تک پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے جب تم کاموں سے فارغ ہو جاؤ تو یہ مت سمجھو کہ اب مجھے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اس فارغ وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے اپنے آپ کو تھکاؤ۔

دل نہ لگنے کے باوجود عبادت کرتے ہو

اور اس آیت کے ذریعہ یہ سبق بھی دیدیا کہ جب کوئی بندہ نفلی عبادتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، یا نفلی عبادتوں کا ارادہ کرتا ہے، چاہے وہ نفلی عبادت نماز ہو، تلاوت ہو، ذکر ہو، تو شروع میں اس کا دل ان عبادتوں میں نہیں لگتا، جس کی وجہ سے وہ تھوڑی دیر عبادت کر کے پھر چھوڑ بیٹھتا ہے۔ اس آیت کے ذریعہ بتایا جا رہا ہے کہ دل کا نہ لگنا بھی ایک مشقت ہے، لہذا دل نہ لگنے کے باوجود اپنے آپ کو زبردستی اس کام میں لگاؤ، وہ تھکن ہی مقصود ہے، وہ مشقت اور تعب ہی مقصود ہے، جب تم اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر یہ مشقت برداشت کرو گے اور اس کے لئے محنت کرو گے تو تمہارا یہ عمل بذات خود اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بڑے اجر و ثواب کا ذریعہ بنے گا۔ اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہارا تعلق مضبوط ہوگا۔

عبادت مزہ لینے کیلئے نہیں کی جاتی

لہذا نفلی عبادت میں اپنے آپ کو تھکاؤ، اور یہ ضروری نہیں کہ ذکر کرنے،

۳۱۵

میں اس کو بھی صبر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا، اور خواہش دل میں یہ تھی کہ اس عبادت سے چھٹکارا ہی مل جائے تو اچھا ہے، لیکن زبردستی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگایا، اور اپنی نفس کی خواہش کو کچلا تو یہ بھی ”صبر“ ہے۔

جنت کی نعمتیں صبر کرنے پر

قرآن کریم میں جگہ جگہ اہل جنت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ ہم نے جنت کی نعمتیں ان کو دی ہیں، وہ اس لئے کہ انہوں نے دنیاوی زندگی میں صبر سے کام لیا تھا، ان کا دل عبادت کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر پھر بھی ہماری عبادت میں لگے ہوئے تھے، دل نہیں چاہ رہا تھا، مگر پھر بھی ہماری اطاعت میں لگے ہوئے تھے، بلکہ ان کا دل گناہ کرنے کو چاہ رہا تھا، مگر انہوں نے اپنے آپ کو روک کر اس گناہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا تھا، اس کی وجہ سے ان کو جنت کی یہ نعمتیں دی جا رہی ہیں، بہر حال! یہ جو کہا جا رہا ہے کہ جب تم فارغ ہو جاؤ تو اپنے آپ کو تھکاؤ، یعنی دل لگ رہا ہو، یا نہ لگ رہا ہو، تب بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

کس چیز سے فارغ ہو جاؤ؟

اس آیت میں ایک اور سبق ہم سب لوگوں کے لئے یہ دیا گیا ہے کہ یہ جو حضور اقدس ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ جو تم فارغ ہو جاؤ، اب سوال یہ ہے کہ کس چیز سے فارغ ہو جاؤ؟ جہاں تک ہمارا معاملہ ہے تو ہم لوگ تو دنیاوی

۳۱۶

کاموں میں اور روزی کمانے میں تجارت میں اور معیشت میں ہر وقت لگے رہتے ہیں۔ جبکہ حضور اقدس ﷺ کا حال تو یہ تھا کہ آپ ﷺ تو سارا دن رات اللہ تعالیٰ کے دین ہی کے کاموں میں مصروف رہتے تھے، کبھی تعلیم میں، کبھی تبلیغ میں، کبھی تدریس میں، کبھی نصیحتوں میں، کبھی جہاد میں، کبھی لوگوں کے درمیان صلح کرانے میں، ان تمام کاموں میں مصروف رہتے تھے، اور یہ سب کام بھی تو دین ہی کے کام تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ حضور اقدس ﷺ سے فرما رہے ہیں کہ جب تم ان کاموں سے بھی فارغ ہو جاؤ تو اب براہ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کر کے اپنے آپ کو تھکاؤ۔

دین کا کام کرنے والوں کو ہدایت

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ دین ہی کے کام میں لگے ہوئے ہیں، چاہے وہ طالب علم ہوں، چاہے وہ استاذ ہوں، چاہے وہ تبلیغ میں لگے ہوئے ہوں، چاہے وہ جہاد میں لگے ہوئے ہوں۔ ان سب حضرات کو بھی جب فارغ وقت ملے تو اس میں ان کو نفلی عبادتوں کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، مثلاً نفلی نمازیں پڑھے، ذکر کرے، تلاوت قرآن کریم کرے، اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگے۔ اس لئے فرمایا: فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ﴿۷﴾ (سورہ الم نشرح: ۷)

نماز فارغ ہونے کی چیز نہیں

دوسرے اس سے ایک اور بات بھی نکلتی ہے، وہ یہ کہ بعض اوقات ہم لوگ

۳۱۷

اس طرح کے جملے بولتے ہیں کہ بھائی ذرا نماز سے فارغ ہو جائیں تو پھر یہ کام کریں، یا نماز سے فارغ ہو جائیں پھر کھانا کھائیں گے۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کے سامنے کسی نے یہ کہا کہ ذرا عشاء کی نماز سے فارغ ہو جائیں تو پھر کھانا کھائیں گے۔ حضرت والد صاحب a نے فرمایا کہ بھائی: نماز ایسی چیز نہیں کہ اس سے فارغ ہوں۔ اس لئے کہ اس کا تو مطلب یہ نکلتا ہے کہ نماز ایک بوجھ ہے، اس کو جلدی سے اپنے سر سے اتار دیں، اور پھر جو اصل مقصد یعنی کھانا کھانا اس کی طرف آئیں۔ فرمایا کہ یہ بے ادبی کا جملہ ہے۔ گویا کہ اصل مقصد تو کھانا کھانا ہے، اور نماز تو ایک بوجھ ہے جو سر سے اتار دیں۔ ارے قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ: ”فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ“ کہ جب تم دوسرے کاموں سے فارغ ہو جاؤ تو پھر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگاؤ۔

پہلے کھانا بعد میں نماز

اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ اگر بھوک لگی ہوئی ہو، اور کھانا سامنے آجائے تو اس صورت میں کھانا پہلے کھاؤ، اور نماز بعد میں پڑھو، تاکہ ذہن کھانے سے فارغ ہو جائے، ورنہ یہ ہوگا کہ بھوک لگی ہوئی ہے، اور کھانا تیار ہے تو اب ذہن تو کھانے کی طرف لگا ہوا ہوگا، تو اس صورت میں کہاں سے خشوع اور خضوع پیدا ہوگا۔ اسی لئے حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۳۱۸

إِذَا حَضَرَ الْعِشَاءَ وَالْعِشَاءَ فَأَبْدِءِ بِالْعِشَاءِ

جب رات کا کھانا اور عشاء کی نماز دونوں ایک ساتھ آجائیں تو پہلے کھانا کھالو، پھر عشاء کی نماز پڑھو۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ نماز پہلے پڑھنے کی صورت میں دل و دماغ کے کھانے کی طرف متوجہ ہونے کا اندیشہ ہو۔ لیکن اگر کھانے کی طرف زیادہ توجہ نہیں ہے، اور اطمینان سے آدمی نماز پڑھ سکتا ہے تو اس صورت میں آدمی پہلے نماز پڑھ لے۔ لیکن یہ کہنا کہ ذرا نماز سے فارغ ہو جائیں تو پھر اطمینان سے کھانا کھائیں گے۔ یہ اس آیت کریمہ کے حکم کے خلاف ہے۔

ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع

آخر میں فرمایا:

وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ (سورہ الم نشرح: ۸)

اور اپنے پروردگار ہی کی طرف توجہ کرو، اسی سے لوگاؤ۔ یعنی تم جس حالت میں بھی ہو، تمہاری توجہ، تمہارا دھیان، تمہارا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگا رہنا چاہئے، کونسا انسان ایسا ہے جس کو ہر وقت کوئی نہ کوئی حاجت لگی ہوئی نہ ہو، ہر وقت انسان کو کسی نہ کسی چیز کی حاجت اور ضرورت ہے۔ اس آیت کے ذریعہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس حاجت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس سے مانگنے کی عادت ڈالو، چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ ایک حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہارے جوتے کا

۳۲۰

اللہ! کوئی اچھی سواری مل جائے۔ جب سواری میں بیٹھ گئے تو کہو: یا اللہ! عافیت کے ساتھ منزل تک پہنچا دیجئے۔ درمیان میں کوئی رکاوٹ نہ ہو جائے۔ اور یہ کہو: یا اللہ! جس کام کے لئے میں جا رہا ہوں، وہ کام کرا دیجئے۔ اور یہ کہو: یا اللہ! جس شخص کے پاس ملاقات کے لئے جا رہا ہوں، اس سے میری ملاقات ہو جائے، اور وہ شخص اپنی جگہ پر مل جائے۔ لہذا ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی عادت ڈالو۔ اور جو بندہ ہر قدم پر ہر کام کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس کو اپنا حاجت روا، اسی کو اپنا کارساز اور اپنا مشکل کشا سمجھتا ہے تو اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط ہو جاتا ہے۔ اور جب تعلق مضبوط ہو جاتا ہے تو وہی تعلق درحقیقت دنیا اور آخرت کی کامیابی کا بہترین ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس کے حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین ○



۳۱۹

تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ اب آدمی یہ سوچتا ہے کہ اگر جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا تو اس کا حل یہ ہے کہ آدمی موچی کے پاس جائے، اور اس سے ٹھیک کرائے۔ لیکن حضور اقدس ﷺ فرما رہے ہیں کہ وہ بھی اللہ سے مانگو، کیوں؟ اس لئے کہ موچی سے جوتے کا تسمہ ٹھیک کرانا یہ ایک ظاہری سبب ہے، لیکن اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں کوئی سبب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر مؤثر نہیں ہوتا۔

کام میں رکاوٹیں ہو جائیں گی

فرض کرو تم نے جوتے کا تسمہ ٹھیک کرانے کے لئے موچی کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ اول تو یہ پتہ نہیں کہ موچی تک پہنچنے کے اسباب بھی مہیا ہوں گے یا نہیں؟ اور اگر وہاں پہنچ گئے تو پتہ نہیں کہ موچی ملے یا نہ ملے، اگر موچی مل بھی جائے تو وہ کہہ دے کہ میرے پاس بہت کام ہے، میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ یا وہ موچی اتنی زیادہ اجرت مانگے کہ تم نہ دے سکو۔ اس طرح کے ہزار ہا رکاوٹیں ہو سکتی ہیں۔ لہذا جب تک کہ چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت شامل نہیں ہوگی، اس وقت تک دنیا کا کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ لہذا چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو۔

ہر وقت اللہ سے مانگتے رہو

مثلاً آپ کہیں جانے کے لئے گھر سے باہر نکلے، اس وقت کہو، یا